ہفت روزہ

ندائے خلافت

۱۹ جولائی ۱۹۹۳

☆ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری سے ایک گفتگو

☆ ترکی میں "بنیاد پرستی" کا مردہ کفن پھاڑ کے بولا ہے

☆ تحریک خلافت پاکستان ——— پہلی سہ ماہی کی کارکردگی

خالق دیناہال کراچی میں مقدمہ بغاوت کی کارروائی کی ایک جھلک

مولانا محمد علی جوہر کے بیان کا آخری حصہ

"اگر ہندوستانی مسلمانوں کے پاس حکومت سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے ایک طاقتور فوج موجود ہوتی اور اگر وہ سچے اور مخلص مسلمان ہوتے تو آج اسلام کے قانون سے مجبور ہو کر حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کرتے۔ اور ہمارا یہ جھگڑا خالق دیناہال میں نہیں بلکہ کسی اور مقام پر فیصل ہوتا۔ جب بدقسمتی سے اتنی طاقت اور ایسی فوج میسر نہ ہو تو احکام اسلامی کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جتنے ہجرت کی استطاعت رکھیں وہ کسی محفوظ ملک میں چلے جائیں جہاں کوئی سرکاری استغاثے مذہب کی توہین و ہتک نہ کر سکیں۔ اس کے بعد جب ان کا ملک اس قابل ہو جائے یا وہ اپنے ملک کو اس قابل بنالیں کہ وہاں خدا کی عبادت بے خلل کی جاسکے تو انہیں اختیار ہے کہ اپنے ملک مراجعت کر آئیں۔"

اس موقع پر وکیل سرکار نے کہا کہ مولانا محمد علی اس مقدمے کے متعلق بیان نہیں دے رہے ہیں بلکہ تقریر کر رہے ہیں۔ اس کے بعد وکیل سرکار نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۴۲ کا حوالہ دیا۔ مجسٹریٹ نے مولانا سے کہا کہ آپ اپنے بیانات کو مقدمے کے مالہ و ماعلیہ ہی تک محدود رکھئے۔ مولانا محمد علی نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ:

"جولائی ۲۰ء میں مرکزی مجلس خلافت نے احکام اسلام کے مطابق اور دیگر مذاہب کے بعض رہنماؤں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک ایسی راہ عمل تجویز کی جس سے مسلمانوں کو یہ امید ہو گئی کہ وہ حکومت کے خلاف جنگ و پیکار کرنے یا دوسرے ملک میں ہجرت کو جانے کے بغیر ہی آزادی حاصل کرلیں گے۔"

اس موقعہ پر مجسٹریٹ نے پوچھا کہ آپ کا بیان کس قدر باقی ہوگا؟۔ مولانا محمد علی نے فرمایا کہ ابھی تو چودہ صفحے ہیں۔ (قہقہہ)

قیمت ۵ روپے

دِیر میں جلسہ خلافت

ایک کامیاب کوشش کی کہانی، تحریک کے جنرل سیکرٹری کی زبانی

دیر میں جلسہ خلافت ۹جولائی بروز جمعہ صبح ۸بجے اسٹیڈیم میں منعقد ہوا۔ اس جلسے کا اہتمام تحریک خلافت پاکستان حلقہ سرحد نے کیا تھا۔ جلسے کے اعلان اور انتظامات میں دیر اور باجوڑ کے ساتھیوں نے بہت محنت کی تھی۔

داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تین گاڑیوں پر مشتمل ایک مختصر قافلے میں ۸جولائی کی دوپہر کو پشاور سے روانہ ہوئے۔ اس قافلے میں داعی تحریک کے علاوہ لاہور سے میجر فتح محمد اور راقم شامل تھے جبکہ پشاور سے ناظم تنظیم اسلامی حلقہ سرحد جناب اشفاق میر صاحب، ناظم تحریک خلافت حلقہ سرحد وارث خان صاحب، ڈاکٹر محمد اقبال صافی صاحب، جناب خدا بخش صاحب، جناب عبدالرحیم صاحب، میر غیاث الدین صاحب، جناب محمد نظام اللہ صاحب، جناب محمد شکیل صاحب اور جناب محمد عبداللہ صاحب وغیرہ شریک تھے۔ یہ قافلہ جب شام ساڑھے پانچ بجے دیر پہنچا تو مقامی ساتھیوں نے جو محترم داعی تحریک کے استقبال کے لئے کافی دیر سے منتظر تھے، خوش آمدید کہا۔ مقامی ہوٹل دیر میں قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔

نماز عصر ہوٹل کے لان میں تمام ساتھیوں کے ہمراہ ادا کی گئی اور بعد میں مقامی ساتھیوں سے تعارف کی نشست ہوئی۔ نماز مغرب مقامی مسجد میں ادا کی گئی۔ نماز کے بعد جلسے کے انتظامات کا جائزہ لیا گیا اور بعض مشورہ طلب امور پر گفتگو ہوئی۔

اگلے روز صبح سے ہی ساتھی جلسہ گاہ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ دیر کی یہ مختصر سی وادی جو چاروں جانب سے بلند و بالا پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے، عجیب بہار دے رہی تھی۔ آج چند روز کی بارش کے بعد مطلع صاف ہوا تھا اور چمکدار دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ نوجوان رفقاء و معاونین تحریک پورے جوش و خروش سے جلسے کی تیاری میں مصروف تھے۔

جلسے کا آغاز ساڑھے آٹھ بجے کیا گیا۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد اسٹیج سیکرٹری جناب جہاں زیب صاحب نے حاضرین کو آج کے پروگرام سے مطلع کیا جس میں اس جلسے میں مقررین کی ترتیب کے علاوہ یہ اعلان بھی شامل تھا کہ محترم داعی تحریک نماز جمعہ سے قبل، ایک بجے دوپہر جامع مسجد بابا صاحب میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرمائیں گے اور نماز جمعہ کے بعد اسی مسجد میں سوال و جواب کی نشست بھی ہو گی۔ تنظیم اسلامی میں جن ساتھیوں نے شمولیت کا عزم کر رکھا ہے، ڈاکٹر صاحب محترم ان سے باقاعدہ بیعت بھی لیں گے۔

اعلانات کے بعد ناظم تحریک خلافت حلقہ سرحد، جناب وارث خان صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بزبان پشتو فرائض دینی کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی کے رکن مولانا حضرت گل صاحب نے بڑی جامعیت کے ساتھ تحریک خلافت کی اہمیت اور ضرورت کا پشتو زبان ہی میں بڑا پراثر اظہار خیال فرمایا۔ مولانا حضرت گل گزشتہ ایک ہفتے سے دیر کے گرد و نواح میں دعوت کا کام کر رہے تھے اور لوگوں کو تحریک خلافت کی اہمیت اور اس جلسے میں شمولیت کی دعوت دے رہے تھے۔ مولانا حضرت گل صاحب فرما رہے تھے کہ انتخابات کے ذریعے اس ملک میں نظام اسلام ناممکن ہے اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسلامی انقلاب کے ذریعے نظام خلافت قائم کی جائے۔ انقلاب برپا کرنے کے لئے اگر چار لاکھ افراد بھی واقعی اللہ کے بندے بن کر ایک امیر کے تحت منظم جماعت کی صورت اختیار کر لیں تو آج بھی موجودہ فاسد اور استحصالی نظام کو تبدیل کر کے وہ بابرکت نظام خلافت برپا کیا جا سکتا ہے جو ہمارے موجودہ تمام مسائل کو حل کر کے پاکستان کو وقت کی اعلیٰ ترین فلاحی مملکت بنا دے۔

مولانا حضرت گل صاحب کی گفتگو کے بعد داعی تحریک خلافت اور امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے دو گھنٹے کے خطاب کے آغاز میں فرمایا کہ "بزرگو، بھائیو اور عزیزو! میں اتنا طویل سفر کر کے آپ کے پاس نہ تو ووٹوں کی بھیک مانگنے آیا ہوں اور نہ چندے وغیرہ کی صورت میں نوٹ مانگنے کا ارادہ ہے۔ یہ جلسہ عام جلسوں سے بالکل مختلف جلسہ ہے۔ یہ جلسہ نہ کسی کی مخالفت یا حمایت میں کیا جا رہا ہے نہ یہاں مردہ باد، زندہ باد کے نعرے لگائے جائیں گے، میں تو صرف ملکی اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی موجودہ انتہائی تشویش ناک صورت حال میں اللہ کے عذاب سے بچنے کی واحد ممکنہ صورت سے آگاہ کرنے حاضر ہوا ہوں۔ محترم داعی تحریک نے مزید فرمایا کہ میں سب کے سامنے یہ کہتا ہوں کہ اگر میری نیت میں یہاں حاضر ہونے کا مقصد شہرت طلبی یا کوئی اور دنیوی غرض ہو تو اللہ مجھے رسوا کر دے۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے عالمی سطح پر امت مسلمہ کی زبوں حالی اور بے بسی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پوری امت مسلمہ اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تائید و نصرت سے محروم ہو چکی ہے اسی لئے دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود دنیوی معاملات میں ان کی پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے مہلت بہت کم رہ گئی ہے۔ اگر انہوں نے اپنے رویئے کو فوری طور پر تبدیل نہ کیا اور انفرادی توبہ کے ساتھ ساتھ اجتماعی توبہ نہ کی تو اللہ کے عذاب کا بہت سخت کوڑا اس کی پیٹھ پر مارا جائے گا۔

انہوں نے فرمایا کہ حقیقت بین نگاہیں اللہ کے عذاب کے آثار دیکھ رہی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم قوم یونس کی مانند عذاب کے آثار دیکھ کر اللہ کے حضور میں سابقہ رویے کی معافی طلب کریں اور اصلاح احوال کا سچے دل سے وعدہ کریں۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے یہ نوید جانفزا بھی سنائی کہ اگر مسلمان بحیثیت مجموعی اپنے رویے کو درست کر لیں اور نظام خلافت کے قیام کے لئے

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

جلد ۲ شمارہ ۲۸

۱۹/ جولائی ۱۹۹۳ء

(12)

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۸ ″ ″
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۲ ″ ″
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۱۷ ″ ″

افتتاحیہ

عزیزو' اب اللہ ہی اللہ ہے!

اس کالم کا پیٹ بھرنے کو کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے ورنہ فی الحقیقت کہنے سننے کو اب کچھ رہ نہیں گیا۔ بلاؤں کا ایک سیل بے پناہ بہت دنوں سے قوم کی طرف بڑھا چلا آ تا تھا' اب پانی سر سے گزرنے کو ہے۔ صدر مملکت اپنی جگہ' وزیر اعظم اپنے مقام پر اور حزب اختلاف کا گٹھ جوڑا اپنے موقف پر قائم ہے ---- کوئی بھی ملنے جلنے کے بعد دوسرے کے لئے گنجائش پیدا کرنے کو تیار نہیں چاہے سب کچھ زیر و زبر ہو جائے ---- زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد ---- فوج دم سادھے اپنی بارکوں میں بیٹھی منتظر ہے کہ یہ تماشا دکھائے گا کیا سین۔ وہ سیاست سے "لا تعلق" ہے لیکن ملک کی سلامتی سے تو بے نیازی نہیں برت سکے گی' اس نے کچھ عرض کیا تو شکایت ہو گی۔

گزشتہ چند دنوں کے "دیگر احوال" یہ ہیں کہ وزیر اعظم کی صدر مملکت سے ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ جب اول الذکر کی طرف سے اذن باریابی کی درخواست موصول ہوئی' اس وقت جناب صدر کے آرام کا وقت تھا۔ وزیر اعظم نے قائد حزب اختلاف کو "ورکنگ ڈنر" پر مدعو کیا تاکہ شکووں شکائتوں پر کہہ سن کر دونوں ہی کے جی کچھ ہلکے ہو جائیں لیکن بے نظیر صاحبہ بھری بیٹھی ہیں' نواز شریف صاحب سے وفا کی امید نہیں رکھتیں اور ویسے بھی کھانے پینے کا انہیں کچھ زیادہ شوق نہیں لہٰذا معذرت کر لی ہے۔ وزیر اعظم کو گزشتہ شام (۱۱ر جولائی) قوم سے خطاب کرنا تھا جو پرسوں پر ملتوی ہو گیا لیکن کوئی چھوٹی بڑی وجہ کا اعلان نہیں کیا گیا جیسے کوئی بات ہی نہ تھی۔ وفاق کے ریڈیو اور ٹی وی نے پنجاب کی خبروں کا بائیکاٹ اس حد تک مکمل کر لیا کہ محسوس ہونے لگا ہے کہ (معاذاللہ' ثم معاذاللہ) پاکستان میں پنجاب نام کا کوئی علاقہ اب شامل ہی نہیں رہا اور "لانگ مارچ" کی تاریخ رکھ دی گئی ہے' وغیرہ وغیرہ ---- باقی سب خیریت ہے چاہے کسی کو نیک مطلوب ہو یا نہ ہو۔

ان حالات و واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی تجزیے کی -- اور تنقید و تبصرے کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں رہا۔ معدودے چند انسانوں کو ایک پوری قوم کے مستقبل سے کھیلنے کا مشغلہ مل گیا ہے ---- ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے ---- سیاست گری خوار تو علامہ اقبال کے زمانے میں بھی تھی' اب بازیچۂ اطفال بن گئی ہے جس میں کئی ماہ سے ایک کھیل جاری ہے۔ دریں اثناء معیشت کا دم واپسیں بر سر راہ ہے جس کے جسد ناتواں پر مسیحائی کے معجز نما اثرات کے بلند بانگ دعووں نے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے تھے اور سیاست کا تو ذکر ہی کیا' اس معزز قومی خدمت کو "لوٹوں" نے بدنام کیا اور پھر "چمک" کے نیلام پر چڑھا دیا ہے۔ رہا ملک کا داخلی استحکام' تو عزیزو' اب اللہ ہی اللہ ہے اور خارجی عزت و وقار' ہرچند کہیں کہ ہے نہیں ہے۔

سنتے ہیں کہ جہان نو ہو رہا ہے پیدا' یہ عالم پیر مر رہا ہے جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا تھا قمار خانہ لیکن فرنگی کی سوغات "پارلیمانی جمہوریت" کو سینے سے لگا کر رکھنے والے ہمارے کرم فرما اس پیر تسمہ پا کو آب حیات کی خوراک پلا کر امر کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک پاکستان کی بقا وابستہ ہی پارلیمانی جمہوریت سے ہے۔ وہ ملک و قوم کے ہم سے زیادہ بہی خواہ ہوں گے ورنہ ہمیں تو اس سیاسی نظام میں ملک و قوم کے لئے خیر کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ کاش' اب بھی ہم اپنے آپ کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام اجتماعی سے بہتر کوئی لائحہ عمل نہیں۔ اسے طاق نسیاں میں رکھ کر اپنے درد کے درماں کے لئے دنیا بھر کی خاک چھانتے پھرنا دانش مندی تو نہیں۔ چھورا بغل میں رکھ کر ہم شہر بھر میں ڈھنڈورا پیٹتے پھریں تو عقل کے دشمن ہی کہلائیں گے۔ OO

الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرہ (آیات ۱۵۹ تا ۱۶۲)

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری اتاری ہوئی کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت کی باتوں کو اس کے بعد کہ ہم نے وہ کھول کر بیان کر دی تھیں لوگوں کے لئے کتاب میں تو وہی ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرتے ہیں لعنت کرنے والے ○

(کہ یہ بنی اسرائیل' تورات سے ان تمام نشانات کو مٹانے کے لئے کہ جن کی مدد سے یہود کے لئے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے میں رہنمائی ملتی' جو جو جتن کر رہے ہیں نہ صرف یہ کہ اللہ کے علم میں ہیں بلکہ ان کی یہ مذموم کوششیں انتہائی قابل مذمت ہیں۔ وہ تورات کی ہر اس بات کو چھپانے اور مٹانے کے درپے ہوتے تھے جس سے بنو اسماعیل کی فضیلت کا کوئی پہلو ظاہر ہوتا نظر آتا تھا چنانچہ انہوں نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کی قربانی کی جگہ کو تورات سے غائب کرنے کے لئے جو جو تدبیریں کیں اور لفظ مروہ کا جو حلیہ بگاڑا کہ کہیں یہ فضیلت اہل مکہ کے حصے میں نہ آجائے' وہ ان کے ان سیاہ کارناموں میں شامل ہے جس کے سبب سے اللہ نے بھی ان پر لعنت فرمائی ہے اور تمام لعنت کرنے والے ان پر لعنت بھیجتے ہیں)

سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور واضح طور پر بیان کر دیا تو ان لوگوں کی توبہ میں قبول کروں گا۔ اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا' رحم فرمانے والا ہوں○

(ہاں جو لوگ اس حق پوشی کے جرم سے تائب ہو جائیں اور اس غلطی کی اصلاح کر لیں جس کے وہ مرتکب ہو رہے تھے اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان تمام حقائق و بینات کو وضاحت کے ساتھ بیان کریں جو تورات میں مذکور ہیں' تو وہ اس لعنت سے محفوظ رہیں گے۔ یہ اللہ کی رحمت کا ایک بہت بڑا مظہر ہے کہ اس نے در توبہ کھلا رکھا ہے اور جو کوئی صدق دل کے ساتھ توبہ کرے گا وہ اللہ کو نہایت عنایت فرمانے والا مہربان پائے گا)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اسی کفر کی حالت میں مر گئے تو ان پر لعنت ہے اللہ کی' اور فرشتوں کی' اور تمام لوگوں کی ○ وہ ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں' نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مہلت ملے گی○

(جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور انہیں مرتے دم تک توبہ و اصلاح اور حق کے اظہار و اعلان کی توفیق نہ ہوئی تو اللہ کی نگاہ میں وہ انتہا درجے کے ملعون اور قابل مذمت ہیں۔ وہ اپنی جگہ خواہ کیسے ہی دیندار بلکہ دین کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہوں' ان کی یہ حق پوشی وہ جرم ہے کہ جس کی پاداش میں وہ اللہ ہی کی نہیں تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کے بھی مستحق اور سزاوار ہیں اور وہ اس لعنت کی کیفیت اور عذاب میں تا ابد گرفتار رہیں گے)

صدر صاحب کی بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے

عبد الکریم عابد

فوج نے الیکشن کا مشورہ نہیں دیا تو اب دینا چاہیے

صدر اور وزیر اعظم دونوں پی پی پی سے صلح کرنا چاہتے ہیں' آپس میں صلح کیوں نہیں کرتے!

پاکستانی سیاست میں اقتدار کی اندھی جنگ نے جو شکل اختیار کرلی ہے' وہ غیر متوقع نہیں کیونکہ ہمارے اقتدار کا گھروندہ کسی نقطہ یا اصول کی بنیاد پر قائم نہیں تھا' اس کی اساس جور و جبر پر تھی۔ پھر جور و جبر کی یہ قوت بھی اپنی نہیں' مستعار تھی۔ ہمارے حکمران طبقہ نے یہ قوت سامراجی ایجنٹ بننے کے بعد حاصل کی تھی اور اس ایجنٹ کی حیثیت میں ہی وہ ملکی سیاسی ارتقاء کو روک کر مارشل لاء کے زور پر حکمران بنتے رہے اور بنیادی حقوق کو سلب کرکے ملک پر حکومت کرتے رہے۔ بعد میں جب سرد جنگ کا دور ختم ہوگیا اور سامراج نے صاف کہہ دیا کہ اب ہمیں آمریت کے ایجنٹ کی ضرورت نہیں ہے اور اب ہم اپنی مخصوص مصلحتوں کے تحت ہر جگہ سلطانی جمہور کا زمانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو قوت کے سرچشمے اچانک خشک ہوگئے اور سب نے جمہوریت کی تبلیغ ہاتھ میں لے لی۔

جور و جبر سے ہاتھ کھینچ کر جمہوریت کا کلمہ تو پڑھ لیا گیا لیکن کسی نے یہ نہ سوچا کہ جمہوریت تو اس وقت چلتی ہے جب سیاست کسی اصول اور سسٹم کے تابع ہو' سیاسی جماعتوں کا وجود حقیقی معنوں میں ہو اور سیاستدان کسی ضابطہ اخلاق کے قائل ہوں مگر یہاں اس طرح کی چونکہ کوئی بات نہیں تھی لہٰذا جمہوری تجربہ موجودہ افراتفری کا سبب بنا اور یہ افراتفری حزب اختلاف نے نہیں حزب اقتدار کے دو بڑوں نے پیدا کی ہے۔ جس طرح صدر اور وزیر اعظم میں لپاڈگی کا منظر دیکھنے میں آیا ہے اور جس طرح وہ دست و گریباں ہوئے ہیں' اس نے ملک کے عوام کو جمہوری تجربہ کے بارے میں شدید مایوس کیا ہے اور لوگ فوج کی آمد کے نہ صرف منتظر ہیں بلکہ بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ فوج آکر انہیں کان سے پکڑ کر نکال باہر کرے اور وہ منصفانہ' غیر جانبدارانہ الیکشن کرائے جو ان میں سے کسی کی موجودگی میں ممکن نہیں۔

عوام کی خواہش اپنی جگہ' لیکن ایک تو فوج امریکہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر سیاسی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے لئے اور ملک کے لئے مزید مسائل پیدا کرنے سے گریزاں ہے اور دوسری طرف فوج اپنی سابقہ ناکامیوں کی وجہ سے ایسی قیادت اور خود اعتمادی سے محروم ہے جو آگے بڑھ کر ملکی باگ ڈور کو سنبھال سکے۔ اس میں اب اپنے نجات دہندہ ہونے کا وہ "زعم باقی نہیں ہے جو پہلے کبھی تھا اور نئے حالات میں اسے پہلے ہی اپنے اتحاد فکر و نظر کو برقرار رکھنے میں کافی دشواری پیش آرہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو نئی آزمائشوں میں ڈال کر اپنے وجود کے لئے نئے خطرات مول لینے کو تیار نہیں۔ تاہم جب ملک کا داخلی امن بھسم ہوتا نظر آئے اور ٹکراؤ سے خانہ جنگی کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں کوئی بھی فوج حالات سے بے تعلق اور بے نیاز نہیں رہ سکتی' اس لئے اگر فوج نے نئے الیکشن کا مشورہ دیا ہے تو کوئی جرم نہیں کیا کہ اس پر وزارتی پریس نوٹ میں غم و غصہ کا اظہار ہو اور انٹر سروسز پبلک ریلیشنز کا اعلامیہ معذرت اور وضاحت پیش کرے۔

فوج کے سربراہ کو یہ مشورہ اب نصف شب کی تاریکی میں نہیں' دن دہاڑے دینا چاہئے اور صرف مشورہ ہی نہیں دینا چاہئے اس کو منوانے کے لئے اپنا دباؤ بھی استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اگر جمہوریت کی واقعی ضرورت ہے تو اس میدان کے سارے کھلاڑیوں کو جو مختلف طرح کے فاؤل کے ذریعے اپنا کھیل بگاڑ چکے ہیں' نئے سرے سے سلیقہ مندی کے ساتھ نئے کھیل کا آغاز کرنا چاہئے اور اس کے لئے ہر سطح پر حکومتی مناصب میں تبدیلی اور ایک مکمل غیر جانبدار حکومت کا قیام ضروری ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ صدر اسحاق بھی اپنی ساکھ کھو چکے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ غیر جانبدار نہیں رہے بلکہ اپنی جانبداری میں تمام حدود سے تجاوز کرگئے اس لئے ان کی رسم رخصتی ضروری ہوگئی ہے ورنہ جب تک وہ ہیں' ہمارے سیاست کے کنویں کا پانی ناپاک رہے گا۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ مہینوں پہلے "ندائے خلافت" کے صفحات میں صدر کا احتساب کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی تھی کہ صدر بے نظیر کے بعد اب نواز شریف کی حکومت کو بھی ڈھلل کرنے کی کارروائیوں میں لگے ہوئے ہیں اور اس کارروائی کا نتیجہ زبردست سیاسی بحران اور انتشار ہوگا۔ صدر کی جانبداری کے موضوع پر "ندائے خلافت" میں میرے دو مضامین اس وقت شائع ہوئے جب بے نظیر کے خلاف اسحاق نواز گٹھ جوڑ قائم تھا لیکن ساتھ ہی آپس میں ان کی اندرونی کشمکش بھی چل رہی تھی۔

یاد ہوگا کہ صدر نے ٹی وی پر جلوہ گر ہوکر اس کشمکش کی تردید کی اور کہا تھا کہ بلبل ہزار داستان

کہانیاں سنا رہے ہیں ورنہ یہ حکومت تو اچھی خاصی چل رہی ہے لیکن چند ہی دنوں بعد صدر صاحب کی بلی تھیلے سے باہر آگئی اور ان کا حریف ہونا سب پر ظاہر ہوگیا۔ عدالت نے بھی ان کی جانبداری کی تصدیق کردی ہے اس لئے اب صدر اسحاق کو تو جانا ہی چاہئے تھا لیکن یہ کافی نہیں ہے تو ان پر اس غرض کے لئے عوام اور خواص سب طرف سے دباؤ پڑنا چاہئے۔ ویسے بھی وہ محض ایک حادثے کے نتیجے میں صدر بنے تھے' کسی سیاسی جماعت کے نمائندے نہیں۔

علاوہ ازیں جس بیوروکریٹک حکمرانی کے عہد کی صدر غلام اسحاق باقیات ہیں' اس کا دور اب گزر چکا۔ اس لحاظ سے وہ کسی طرح بھی ملک و قوم کی ضرورت نہیں ہیں اور ان کا جانا ہی حالات کی بہتری کی تمہید ہوگا لیکن جو لوگ صدر اسحاق کی رخصتی کا مطالبہ کر رہے ہیں اور نواز شریف کو ۱۹۹۵ء تک قائم رکھنے پر اصرار کر رہے ہیں' وہ بھی وہی لوگ ہیں جو کبھی حق و صداقت کے ساتھی نہیں رہے اور سچائیوں کے مقابلہ میں پہلے ضیاء الحق کے اور پھر نواز شریف کے ساتھی رہے۔

نواز شریف کے ان وکیلوں کی بددیانتی انہیں یہ دیکھنے کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ نواز شریف نے جن نعروں کے ساتھ اور جن حلیفوں کے ذریعہ اقتدار حاصل کیا تھا' وہ سارا مینڈیٹ دریا برد ہوگیا ہے۔ اب ان کے جو بھی نعرے ہیں' وہ بالکل نئے ہیں اور جو حلیف ہیں وہ بھی بالکل دوسری طرح کے ہیں۔ اس لئے نواز شریف کو بھی نئے سرے سے عوام کے پاس جانا چاہئے اور نیا مینڈیٹ حاصل کرنا چاہئے۔ اگر وہ اپنے حق میں عدالتی فیصلے کے فوراً بعد ازخود عوام میں جانے کا فیصلہ کرتے تو ایک ہیرو ہوتے لیکن انہوں نے بزدلی دکھائی اور عوام کے سامنے جانے سے لرزاں و ترساں رہے۔ لیکن کب تک' آخر فیصلہ عوام نے ہی کرنا ہے۔

البتہ وزیراعظم کا یہ مطالبہ صحیح ہوگا کہ وہ تو عوام کے پاس جائیں گے مگر ساتھ ہی صدر اسحاق کو بھی گھر بھیجا جائے اور صوبوں میں غیرجانبدار انتظامیہ قائم کی جائے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دونوں فریق اپنا منصب اور اپنی انتظامیہ رکھ کر الیکشن چاہتے ہیں اور دوسرے کے منصب اور دوسرے کی انتظامیہ کو اڑائے بغیر الیکشن میں انہیں اپنی فتح یابی کی امید نہیں ہے لیکن کسی ایک فریق کی بالادستی میں جو الیکشن ہوگا اسے دوسرا فریق ہرگز تسلیم نہیں کرے گا اور سیاسی جنگ الیکشن کے باوجود ختم نہیں ہوگی۔

اس جنگ کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ مرکز اور صوبوں میں غیرجانبدار انتظامیہ ہو' اعلیٰ عدالتوں کے ریٹائرڈ اور نیک نام ججوں کی نگران حکومتیں ہوں جن کے بارے میں معلوم ہو کہ متحارب فریقوں میں سے کسی کے ساتھ بھی وابستگی نہیں رکھتے اور فوج ان کے تحت دیانت دارانہ' غیرجانبدارانہ الیکشن کرائے۔ الیکشن کمیشن بھی دونوں فریقوں کے اطمینان کا ہونا چاہئے۔ اس طرح کے الیکشن سے ہی سیاسی مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

وزیراعظم نے پلک جھپکتے میں پارلیمنٹ سے جو قرارداد منظور کرائی اور اس کے تحت صدر کے نام پر نو ٹیکنیکشن کا اجراء کرکے رینجرز کے ذریعہ اقتدار حاصل کرنے کی جو کوشش کی اس میں ناکامی نے ان کے کھیل کی بساط الٹ دی ہے اور اب خواہ عدالتوں سے وہ اپنے حق میں پروانہ لے آئیں مگر حکومت نہیں کرسکیں گے کیونکہ عدالت صدر کو برطرف نہیں کرسکتی اور پارلیمنٹ میں صدر کی برطرفی کے لئے ضروری اکثریت انہیں حاصل نہیں ہے اس لئے جب صدر رہیں گے اور وزیراعظم کے اقتدار کو اسلام آباد میں محدود رکھیں گے تو ان کا یہ اقتدار ملک کے لئے عذاب ہوگا۔ صدر اور وزیراعظم کی لڑائی نئے نئے گل کھلائے گی اس لئے بہتر ہے کہ دونوں اپنے اپنے ایوانوں سے باہر آجائیں اور قوم کے لئے عذاب جان نہ بنیں۔

جو لوگ صدر اور وزیراعظم میں مصالحت کے لئے بھاگ دوڑ میں لگے ہیں' وہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ اگر ان میں صلح پسندی ہوتی تو یہ لڑتے ہی کیوں! اور وہ بھی اس طرح کہ دونوں پیپلزپارٹی سے مصالحت کے لئے تیار ہیں مگر آپس میں صلح پر راضی نہیں۔ صدر اسحاق نے جب آصف زرداری کو اپنے پہلو میں بٹھا کر وزارت کا حلف لیا اور پنجاب کے صوبہ کو پیپلزپارٹی کے حوالے کیا تو انہوں نے صلح کی کوئی گنجائش نہیں دیکھی ہوگی تبھی ایسا کیا ہوگا اور ہمارے کمزور وزیراعظم خم ٹھونک کر اور زبردست پہلوان بن کر صدر کو للکارنے لگے تو انہوں نے بھی مصالحت کے امکانات کو معدوم دیکھ کر ہی ایسا کیا ہوگا اس لئے سعی مصالحت صرف اپنا دل خوش کرنے کی کارروائی ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ صدر اور وزیراعظم میں مصالحت کی ضرورت بھی کیا ہے؟ مصالحت اگر چاہئے تو وہ نواز شریف اور بے نظیر کے درمیان چاہئے تاکہ وہ اتفاق رائے سے ایک غیرجانبدار صدر مقرر کرسکیں' انتخاب کی ایک تاریخ طے کرلیں' انتخابات کے لئے غیرجانبدار انتظامیہ کی تفصیلات طے کریں۔ پھر انتخابات کے بعد بھی انہیں آپس میں افہام و تفہیم اور شراکت کار کا سمجھوتہ کرنا ہوگا اور یہی حقیقی مصالحت ہوگی جو ملک کی سیاسی قوتوں کے درمیان ہوگی۔ اسی مصالحت سے ہم اطمینان کا سانس لے سکیں گے اور ایک نئے سیاسی دور کا آغاز ہوگا۔●●

زبان خلق

لاہور (پ ر) انجمن طالبات اسلام کی سابق مرکزی ناظمہ رضوانہ لطیف نے کہا ہے کہ پائیدار سیاسی امن نفاذ اسلام میں ہے۔ ملک میں سیاسی افراتفری غیراسلامی نظام کے باعث ہے اور جب تک یہ نظام برقرار رہا قوم کو کبھی سکھ کا سانس نصیب نہ ہوگا۔ رضوانہ لطیف نے کہا کہ مذہبی جماعتیں سیاست سے دستبردار ہوجائیں کیونکہ موجودہ نظام کے تحت ملک میں کبھی بھی اسلام نافذ نہیں ہو سکتا بلکہ یوں اسلام دشمن قوتوں کو تقویت ملے گی۔ ---- ("خبریں" 4 جولائی)

لو وہ بھی کہتے ہیں . . .

جاپانی پریس ان دنوں امریکیوں کی کوئی اچھی تصویر پیش نہیں کر رہا جس سے دنیا کی یہ اکلوتی "سپرپاور" بے چینی محسوس کرتی ہے۔

لاس اینجلس ٹائمز اپنی اشاعت 8 جون 93ء میں لکھتا ہے کہ "جاپان میں امریکہ کو بے قابو شئی' اجڈ اور زوال پذیر معاشرہ کے طور پیش کرنا معمول بن گیا ہے۔ روڈنی کنگ کی پٹائی پر عدالتی فیصلہ کے نتیجے میں گذشتہ سال ہونے والے لاس اینجلس کے فسادات کے بعد جاپانی میڈیا کو یہ کہنے کا موقع ہاتھ آگیا ہے کہ امریکہ کا انسانی حقوق کا نعرہ نرا ڈھونگ ہے اور وہ ایک نسل پرست' جرائم پیشہ اور قانون شکن معاشرہ پر مبنی ملک ہے"

اس جریدے نے ایسی ہی کئی مثالوں کا حوالہ دینے کے بعد کہا ہے کہ "امریکہ کو اس منفی رجحان کا احساس کرتے ہوئے اس جانب اپنی توجہ مبذول کرنی چاہئے"○○

میجر جنرل محمد حسین انصاری سے ایک گفتگو

نظامِ اجتماعی کو بدلے بغیر کوئی تبدیلی نہیں آئے گی

۱۹۹۰ء کے انتخابی نتائج نے مجھے مروجہ سیاست سے بالکل مایوس کر دیا

میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری انہی دنوں تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے قافلے میں شامل ہو کر امیر تنظیم اور داعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھی بنے ہیں۔ عمر کی ستر بہاریں دیکھ لینے کے بعد بھی عزائم کو جوان رکھنے والے جنرل انصاری واقعات و حوادث کے بھی کئی سلسلہ ہائے کوہ عبور کر چکے ہیں۔ کام کرنے میں وہ ان شاء اللہ نوجوانوں سے پیچھے نہیں رہیں گے کیونکہ فوجی زندگی اور عادات کی باقاعدگی نے ان کی عمومی صحت پر بہت خوشگوار اثر مرتب کیا ہے۔ ہم جنرل صاحب کی صحت و سلامتی کی دعا میں اپنے قارئین کو بھی شریک سمجھتے ہیں جو ان صفحات میں ان کے ساتھ ہماری گفتگو کو پڑھنے کے بعد ان کی شمولیت کو بجا طور پر تحریک کی تقویت کا باعث سمجھیں گے۔ جنرل صاحب قرآن مجید سے بھی خاص شغف رکھتے ہیں جس کی آبیاری کے سلسلے میں امیر محترم کے احسان کا انہوں نے بڑی محبت سے ذکر کیا۔ اپنی رہائش کے نزدیک جامع مسجد (جامع مسجد گلشن علی کالونی' ڈیفنس روڈ لاہور) میں خطبہ جمعہ دینے کے علاوہ سال بھر سے وہ یہیں ہر صبح بعد از نماز فجر درس قرآن بھی دے رہے ہیں ---------- ادارہ

☆ س - جنرل صاحب! تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے ہم چاہیں گے کہ آپ کا تعارف "ندائے خلافت" کے قارئین سے بھی ہو جائے۔ اپنی زندگی کے حالات پر کچھ روشنی ڈالئے۔

○ ج - حسن اتفاق سے میری تاریخ پیدائش اور پاکستان کے عالم وجود میں آنے کی تاریخ ایک ہی ہے۔ میں چودہ اگست ۱۹۲۳ء کو بہاولپور میں پیدا ہوا۔ میرا بچپن وہیں گزرا اور ابتدائی تعلیم کا مرحلہ بھی وہیں طے ہوا۔ میرے والد صاحب نواب بہاولپور کے مشیر تھے اور فوج میں کیپٹن بھی رہے تھے۔ اپنی تعلیم کی تکمیل یعنی .B.Sc کی ڈگری میں نے پرنس آف ویلز کالج جموں سے لی۔ ۲۰ اگست ۱۹۴۳ء کو فوج میں کمیشن ملا۔ دوسری جنگ عظیم میں میں نے برما کے محاذ پر خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے قیام کے وقت میرا رینک کیپٹن کا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں کشمیر کی جھڑپوں میں شرکت کے علاوہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھی سرگرم حصہ لیا اور پھر ۱۹۷۱ء میں پونے دو سال کے لگ بھگ میرا وقت مشرقی پاکستان میں جیسور سیکٹر میں معرکہ آرائی کرتے گزرا جہاں کی خدمات کے اعتراف میں مجھے اعلیٰ ترین فوجی اعزاز "ہلال جرات" دیا گیا تھا۔ سقوط ڈھاکہ کے سانحے کے بعد میں نے ڈھائی سال کا عرصہ بھارت کی قید میں بھی گزارا۔ ۱۹۷۵ء میں فوج سے ریٹائرمنٹ لی اور بعد ازاں پانچ سال لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (ایل ڈی اے) میں بطور ڈائریکٹر جنرل کام کرنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں یہاں سے استعفیٰ دے دیا۔

اگلے دو سال میں نے غور و فکر اور ملکی حالات کا جائزہ لیتے گزارے کیونکہ اس دوران میں قانون کی رو سے مجھے کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ ۱۹۸۶ء میں میرا انتخاب جمعیت علمائے اسلام تھی جبکہ مجھے مسلم لیگ' اور پی ڈی پی کے علاوہ پیپلزپارٹی کی طرف سے بھی شرکت کی دعوت ملی۔ مسلم لیگی تو فی الحقیقت میں شروع سے تھا لیکن اپنے تازہ جائزے کے دوران میں اس جماعت سے کوئی توقع وابستہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

☆ س - عمر بھر کی ملازمت کے بعد آپ نے عملی سیاست میں ہی آنے کا فیصلہ کیوں کیا؟

○ ج - میرا فیصلہ تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحت و سلامتی کی نعمتیں میسر ہیں' مجھ پر ملک و ملت کے لئے اپنی صلاحیتوں کے مطابق کوئی نہ کوئی خدمت انجام دینا فرض ہے۔ فوج میں میں نے دفاع وطن کا فریضہ جسم و جان کی پوری توانائیاں لگاتے ہوئے ادا کیا اور ایل ڈی اے میں مجھے قوم کے لئے سماجی میدان میں بھی کچھ فلاحی کام

کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ اب میں نے محسوس کیا کہ عملی سیاست بھی جوہر قابل کی متلاشی ہے لیکن الحمدللہ کہ سیاست میں آنے سے میرا مقصد نہ تو نام و نمود کا حصول تھا نہ مال و زر کا کوئی لالچ۔ مجھے تو سیاست کو بطور پیشہ اپنانے کا بھی خیال نہ آیا۔ سوچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں عطا کی ہیں ان کی بناء پر ملک و قوم کی خدمت مجھ پر قدرت کا قرض ہے۔

☆ س۔ جمعیت علمائے پاکستان کے انتخاب کی کیا خاص وجہ تھی؟

○ ج۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جے یو پی میں شامل لوگ عام طور پر سیدھے سادے ہیں جن میں وہ پرکاری موجود نہیں جو سیاست میں رواج پا گئی ہے۔ اس جماعت کے اکابرین بھی سادہ لوگ تھے اور ان میں نہ سرمایہ دار تھے نہ جاگیردار جبکہ انہی دو لعنتوں نے ہماری سیاست کو متعفن بنا کے رکھ دیا تھا۔

☆ س۔ جے یو پی میں آپ نے کتنا عرصہ اور کن عہدوں پر کام کیا؟

○ ج۔ اس جماعت میں میری شمولیت ۱۹۸۶ء میں ہوئی تھی۔ شروع ہی میں مجھے جماعت کا نائب صدر بنادیا گیا اور اس حیثیت میں لگ بھگ ایک سال میں نے کام کیا۔ بعد ازاں میں مختلف اوقات میں صوبہ پنجاب کا جنرل سیکرٹری، صوبہ پنجاب کا صدر اور پھر اسلامی جمہوری محاذ کی تشکیل پر اس کا بھی صوبائی صدر رہا۔

☆ س۔ آپ نے انتخابی سیاست کا بھی ذاتی تجربہ حاصل کیا، اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائیے۔ یہاں آپ کے محسوسات کیا تھے؟

○ ج۔ ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں جے یو پی کے ٹکٹ پر میں نے شمالی لاہور کے علاقے سے قومی اسمبلی کی ایک سیٹ پر پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری شیخ رفیق احمد کا مقابلہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں پھر حصہ لیا لیکن اس بار ناکام رہا۔ اس دوسرے الیکشن میں دھاندلی کا جو انداز مشاہدے میں آیا، اس نے مجھے بہت مایوس کیا۔ اسی تجربے نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا کہ یہ طریقہ کار ملک و قوم کے حق میں کوئی مفید خدمت انجام دینے کے لئے قطعاً موزوں نہیں رہا۔ جہاں تک محسوسات کا تعلق ہے، مختصراً بات یہ کہوں گا کہ مجھے انتخابی عمل کے دوران بارہا اپنے دل پر پتھر رکھنا پڑا۔ سیاست میں جو سکے رائج تھے وہ میرے پاس موجود نہ تھے اور مجھے کئی بار اپنے اصولوں سے سمجھوتہ کرنے کی مجبوری لاحق ہوئی۔ پھر ووٹ مانگنا ایک طرح سے بھیک مانگنا ہی تو ہے۔ آپ کو یہ دیکھے بغیر کہ میں کس سے مخاطب ہوں، دست سوال ہر جگہ دراز کرنا پڑتا ہے۔

☆ س۔ پہلے الیکشن میں آپ کی کامیابی اور دوسرے میں ناکامی کی وجوہات کیا تھیں؟

○ ج۔ ۱۹۸۸ء میں میری کامیابی میں جے یو پی کی عوامی سطح پر مقبولیت کے علاوہ میرا ذاتی اثر و رسوخ بھی شامل تھا۔ ایل ڈی اے کی سربراہی کے زمانے میں مجھ سے اہل لاہور کی جو خدمت بن آئی تھی، اس سے شمالی لاہور کے ووٹر بھی ناواقف نہ تھے۔ لیکن اگلے الیکشن کے زمانے تک انتخابی مہموں کے اخراجات کا معاملہ ایک انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ بعض امیدواروں نے جو اخراجات کئے ان کا اندازہ کروڑوں میں تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ امیدوار کی اچھی یا بری خصوصیات کا عمل دخل ۱۹۹۰ء میں پہلے کے مقابلے میں بہت کم رہ گیا ہے اور اصل اہمیت اس بات کی ہوگئی ہے کہ آپ کا شعبہ تعلقات عامہ کتنا متحرک ہے اور یہ کہ آپ کی جیب کتنے اخراجات کی متحمل ہوسکتی ہے۔ ۱۹۸۸ء میں میرے خرچ کا میزان دو لاکھ روپے تھا جس میں سے ڈیڑھ لاکھ روپے مجھے جماعت نے دیئے تھے۔ اس بار معاملہ میری بساط سے بہت بڑھ گیا تھا اور علاوہ دیگر مدوں کے بچولیوں (Middle-men) کو خوش رکھنے کے لئے بڑی رقوم درکار تھیں۔

☆ س۔ انتخابی سیاست اور جے یو پی سے علیحدگی میں کیا اس ناکامی کے داغ کا بھی کچھ دخل ہے؟

○ ج۔ اس سوال کا جواب ہاں یا نہ میں دینے کی بجائے میں عرض کروں گا کہ ۱۹۹۰ء کا معرکہ سر کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ انتخابات میں کامیابی و کامرانی کے لئے تدابیر اختیار کرتے ہوئے روا اور ناروا کی تمیز برقرار رکھنا ممکن نہیں رہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہی لوگوں کو آگے آنے کا موقع ملے گا جو خیر و شر کے امتیاز سے بالا ہو جائیں اور اپنے ہر اصول کو پامال کرنے پر ہر دم آمادہ رہیں۔ دوسری طرف ووٹروں کے سامنے بھی اپنے چھوٹے موٹے مسائل ہوتے ہیں اور وہ اسی شخص کو ووٹ دینا پسند کرتے ہیں جو کچہری تھانے میں بھی ان کی جائز و ناجائز مدد کرنے کے قابل ہو۔ میری اور جے یو پی کی انتخابی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں کو اس جماعت کے اقتدار میں آنے کی امید نہ تھی اور اقتدار کے بغیر کوئی بھی جماعت ان کے روزمرہ کے مسائل حل نہیں کرسکتی۔ میں نے خوب اچھی طرح مشاہدہ کرلیا کہ ہمارے مروجہ نظام میں ایسی بنیادی خرابیاں موجود ہیں جنہیں دور کئے بغیر انتخابی نظام کی بھی اصلاح ممکن نہیں چنانچہ میں عملی سیاست کے اس ڈھنگ سے مایوس ہوگیا۔ جے یو پی سے علیحدگی کی وجہ یہ بھی نہیں کہ میں نے اس میں کوئی خرابی دیکھی ہے، میں آج بھی اسے پاکستان کی تمام دینی و مذہبی سیاسی جماعتوں سے بہتر سمجھتا ہوں جس کی سیاست صاف ستھری ہے لیکن اصل بات یہی ہے کہ مجھے موجودہ سیاست کے نتائج نے مایوس کیا ہے اور جے یو پی تاحال اسی ڈگر پر چلنے کا پروگرام رکھتی ہے۔ اس کے سوا مجھے جمعیت علمائے پاکستان سے کوئی اختلاف نہیں۔

☆ س۔ آپ نے جے یو پی کو انتخابی طریقہ کار میں اصلاح کے لئے جدوجہد پر کیوں آمادہ نہ کیا؟

○ ج۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ انتخابات کا نظام ملک میں قائم عمومی نظام ہی کا عکس ہوتا ہے اور نظام کو بدلے بغیر اس میں کسی اصلاح کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

☆ س۔ عملی سیاست سے مایوسی نے آپ کو ان دوسری دینی جماعتوں کی طرف کیوں متوجہ نہ کیا جو انقلاب کے نعرے لگا رہی ہیں۔ متعین طور پر ہمارا سوال یہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے انتخاب کی وجہ کیا ہے؟

○ ج۔ اس مایوسی کے بعد میں گھر بیٹھ سکتا تھا لیکن میرے اسی احساس نے مجھے بیٹھنے نہ دیا کہ جب تک صحت و سلامتی میسر ہے، مجھے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ہے۔ رہی انقلاب کی بات تو کئی جماعتیں اسلامی انقلاب کا نعرہ لگا رہی ہیں اور اس معاملے میں جے یو پی بھی کسی سے پیچھے نہیں لیکن میں نے دیکھا کہ وہ سب کی سب اپنے دعووں کے برعکس موجودہ انتخابی سیاست کی دلدل ہی میں دھنستی چلی جا رہی ہیں جبکہ اس ذریعے سے خیر برآمد ہوتا بالکل نظر نہیں آتا۔ تنظیم اسلامی اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے میری واقفیت خاصی پرانی ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن اور خطبات جمعہ سے ایک طویل عرصہ استفادہ کیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ صرف یہی ایک مختصر سا گروہ جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جمع کیا ہے، اپنے اس موقف پر پورے استقلال سے قائم ہے کہ ضرورت نظام کو بدلنے کی ہے اور یہ کہ پاکستان میں اسلام صرف انقلاب کے راستے سے آسکتا ہے۔

☆ س۔ آپ خود تو ایک انقلابی جماعت میں تشریف لے آئے ہیں لیکن آپ کے خیال میں ہماری

دوسری دینی جماعتوں کا مستقبل کیا ہے؟

○ ج - مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ہماری مذہبی و دینی سیاسی جماعتیں اپنی نصف صدی پر محیط کوششوں کے ثمرات سے اب تک مایوس نہیں ہوئی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے تجربات حد درجے مایوس کن ہیں۔ اور تو اور یہ جماعتیں اب تک متحد بھی نہیں ہو سکیں اور متحد ہو بھی جائیں تو میرا خیال نہیں کہ کوئی تبدیلی لا سکیں گی۔ اصل میں رجال دین اور علماء کا اثر عوام پر سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ مذہبی رسوم اور معاشرتی تقریبات کے لئے تو ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں لیکن زندگی کے معاملات میں ان کی طرف سے رہنمائی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ دینی جماعتوں کا موقف ہے کہ وہ اپنی سی کوشش کرتی رہیں گی چاہے کامیابی کی کوئی امید نہ ہو ------ مجھے ہے حکم اذاں 'لا الہ الا اللہ ------ وہ بدستور اذان دیتے رہیں گے لیکن میں اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں کہ یہ کوشش بے سود ہے۔

☆ س - اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کی کتنی کچھ امید لے کر آپ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت میں آئے ہیں؟

○ ج - امید اور ناامیدی کا سوال غیر متعلق ہے۔ میں نے دیکھا تو یہ ہے کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کا صحیح راستہ وہی ہے جو تنظیم اسلامی نے اختیار کیا ہے۔ منزل بہت دور ہے اور راستہ بہت طویل' دشواریاں قدم قدم پر استقبال کرتی نظر آتی ہیں اور یہ بہرحال طے ہے کہ کامیابی کی امید مجھے ادھر کھینچ کر نہیں لائی۔ تاہم چونکہ راستہ ہے تو بس یہی لہٰذا مجھے تو اپنا تن من دھن اسی اجتماعیت کے ساتھ مل کر جدوجہد میں کھپانا ہے۔ ہمیں کوشش بہرحال جاری رکھنی ہے' مسلمانوں تک اپنی بات پہنچانے کا حق ادا کرنا ہے اور میری خواہش تو یہ ہے کہ دینی جماعتوں کو بھی کسی کامیابی کی امید رکھے بغیر مسلسل دعوت دی جانی چاہئے۔ یہ جدوجہد اور ایثار دنیا میں رنگ نہ لائے تو آخرت میں جزا تو ہم لے ہی جائیں گے اور وہاں کی کامیابی ہی ہمارا اصل مقصود ہے۔

☆ س - آپ کو یہ الجھن تو نہیں ہوئی کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے کام کو ایک ادارے مرکزی انجمن خدام القرآن' ایک جماعت تنظیم اسلامی اور تازہ تحریک' تحریک خلافت پاکستان میں کیوں تقسیم کر رکھا ہے؟

○ ج - بالکل نہیں۔ میرا شعوری احساس ہے کہ یہ ایک بہت عمدہ امتزاج ہے جس میں منطقی ربط کے علاوہ عملیت پسندی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ ناگزیر ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہوتی تو وہ نتائج برآمد نہ ہوتے جو نظر آتے ہیں یا جن کی توقع ہے۔ انجمن کے پلیٹ فارم سے دعوت رجوع الی القرآن اور اس کی بنیاد پر افرادی قوت کو منظم کرنے کے لئے تنظیم اسلامی اور اب اسلامی نظام کی برکات کے شعور و آگہی کو عام کرنے کی کوشش کی غرض سے تحریک خلافت پاکستان کا ڈھانچہ ضروری تھا۔ مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ جلد یا بدیر دینی جماعتیں بھی تحریک خلافت پاکستان میں اشتراک عمل کے لئے تیار ہو جائیں گی جس میں فی الحال صرف ان کے اکابرین کی ذاتی انا رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

☆ س - اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام حیات کو حکومت الہیہ سے نظام خلافت تک بہت سے نام دیئے گئے۔ یہ آخری عنوان آپ کو کیسا لگا؟

○ ج - نام تو سبھی اچھے تھے لیکن نظام خلافت ایک ایسا سسٹم ہے جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے بلکہ آزمایا بھی جا چکا ہے۔ اس کی عظمت کے نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں اور یہ تو نام بھی اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس سے بہتر نظام اور اس کے نام سے زیادہ خوبصورت نام اور کون سا ہو سکتا ہے۔

☆ س - آپ نے طویل عرصہ ہندوستان میں جنگی قیدی کی حیثیت میں گزارا۔ اس دوران آپ کے ذہن پر کس تاثر کا غلبہ رہا اور کوئی خاص واقعہ جو آپ کے حافظے پر نقش ہو کر رہ گیا ہو؟

○ ج - میں اس پورے عرصے میں ایک شدید صدمے کی کیفیت میں رہا۔ ہم نے اپنی عظمت کے جو بلند و بالا محل تعمیر کر رکھے تھے وہ جب ریت کے گھروندوں کی طرح گرے تو میں اس منظر کو برداشت نہ کر سکا۔ بنگالی مسلمانوں کی مغربی پاکستان کے بھائیوں سے اخوت اور محبت کے رشتے کو رنگ بدلتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو کسی نہ کسی درجے میں ۱۹۷۰ء کے آغاز میں میرے وہاں پہنچنے تک موجود تھا۔ یہ منظر بھی کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا۔

بطور جنگی قیدی ہندوستانیوں نے ہم سے خاصا ہی مناسب سلوک کیا لیکن میں اس ذہنی اذیت کو نہیں بھلا سکتا جو ہمیں پہنچانے کا کوئی موقع وہ نہیں چھوڑتے تھے۔ یہ اذیت دینے کے بہت سے طریقے انہوں نے ایجاد کئے اور ذاتی طور پر مجھے جس ایک واقعہ سے شدید ذہنی اذیت برداشت کرنی پڑی وہ یہ تھا کہ گھر سے آئے ہوئے میرے ایک خط میں سے انہوں نے سنسر کی کاروائی کے دوران ایک نام اور ایک مقام مٹا دیا۔ یہ نام میرے ایک دور کے لیکن بزرگ عزیز کا تھا جن کا پشاور میں انتقال ہو گیا تھا۔ اب مجھے فوتیدگی کی اطلاع اور صبر کی تلقین تو موصول ہو گئی' ایک عرصے تک یہ نہ پتہ چلا کہ میں اپنے کس عزیز سے محروم ہوا ہوں۔ اس ذہنی خلجان کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں جس میں کئی ماہ بعد ایک خط ملنے تک مبتلا رہا جو اتفاق سے سنسر سے بچ گیا اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ انہی بزرگ کا اس میں ذکر دوبارہ آ گیا تھا۔ ●●

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہج انقلاب نبویؐ

سیرت النبیؐ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ ● قیمت: اشاعت خاص (مجلد) -/۶۰ ، اشاعت عام -/۳۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

عہد فاروقی میں "مشاورت" کو ایک باضابطہ ادارے کی شکل دی گئی

نظام خلافت میں جمہوریت کی اصل روح کارفرما تھی

خلافت راشدہ کا تیس بتیس برسوں پر محیط دور حکومت قلب انسانیت میں ایک حسین خواب کی طرح جاگزیں ہے۔ فی الحقیقت انسان ساتویں صدی عیسوی میں اس بلوغت کو نہیں پہنچا تھا کہ ایک ایسے نظام اجتماعی کا متحمل ہو سکتا جو آج بھی محیرالعقول ہے لہٰذا یہ بابرکت دور طویل تر نہ ہو سکا اور محض ایک ماڈل بن کر رہ گیا جس کے مختلف پہلوؤں سے دنیا ابدالاباد تک استفادہ کرتی رہے گی۔ خلافت راشدہ نے نوع انسان کے لئے ایک منزل کا تعین کر دیا کہ اگر معاشرے کے دامن کو دین و دنیا کی بھلائیوں سے بھر دینے کا کبھی ارادہ بنے تو اس کی سمت میں سفر کا قصد کرنا ہوگا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دس سالہ دور خلافت اس عہد زریں کی پیشانی کا جھومر ہے۔ دور فاروقی میں نظام خلافت کے خدوخال پوری شان اور آب و تاب سے ابھرے جن کی تفاصیل سے تاریخ کا دامن مالا مال ہے۔ ہمارے ادارۂ تحریر کے ایک رفیق نے عہد فاروقی کے نقوش کو مرتب کرنے کی ایک کوشش کی ہے جسے کئی قسطوں میں نذر قارئین کیا جائے گا۔ اس سلسلہ مضامین کی تیاری میں مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی مایہ ناز تالیف "الفاروق" سے مدد لی گئی ہے۔۔۔۔۔۔ادارہ

ہر چند کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کا آغاز نبی اکرم ﷺ کے اس جہان فانی سے تشریف لے جاتے ہی حضرت ابوبکرؓ کے عنان حکومت سنبھالنے کے ساتھ ہو گیا تھا تاہم ایک باقاعدہ نظام حکومت کی صورت اختیار کرنے میں اس کو کئی برس کا عرصہ لگا اور اس کا جلال و جمال بہ تمام و کمال حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں ظاہر ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دو سالہ دور خلافت نہ صرف یہ کہ نہایت مختصر تھا بلکہ اس کی حیثیت فی الاصل دور رسالت کے تکملہ کی سی تھی یعنی جن اقدامات اور مہمات کا اعلان اور تیاری آنحضرتؐ فرما چکے تھے ان کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اولین مقصد تھا۔ علاوہ ازیں فتنہ ارتداد کی سرکوبی اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا قلع قمع ایک بہت بڑا کارمنصبی تھا اور اس پر مستزاد مانعین زکوٰۃ سے نبٹنے کا مسئلہ جن کے معاملے میں حالات کی ناسازگاری اور بہت سی مہمات کے بیک وقت جمع ہو جانے کے باعث حضرت عمرؓ جیسے باہمت مشیر نے بھی مصلحت کا پاس رکھنے کا مشورہ دیا۔ انہی مقاصد جلیلہ کے حصول میں حضرت صدیق اکبرؓ کے دور خلافت کے دو برس بیت گئے اور اگرچہ ان کے زمانے میں عساکر اسلامی نے فتوحات کی داغ بیل تو ڈال دی لیکن ایک باقاعدہ نظام حکومت کی ترتیب کے لئے آپؓ کی عمر نے وفا نہ کی۔ ویسے بھی اس مختصر روداد میں ایک لطیف رمز پایا جاتا ہے جس کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا اصل کارنامہ انقلاب نبویؐ کی کامیابی کے بعد ردعمل کی ان قوتوں (Counter-revolutionery forces) کا سر کچلنا تھا جنھوں نے نبی اکرمؐ کے وصال کے فوراً بعد موقع دیکھ کر سر اٹھا لیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے ذمہ دور خلافت کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ خیر القرون یعنی دور نبویؐ کے اختتام اور اس کے بعد کے بہترین دور' دور خلافت کے مابین ایک نوع کے عبوری دور کو امت سے آپؓ نے طے کرایا اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب آپؓ کو خلیفۃ المسلمین کہا گیا تو فرمایا مجھے خلیفۃ الرسول کہو۔

دور فاروقی میں فتوحات کو اس قدر وسعت ملی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع و عریض سلطنتیں ٹوٹ کر دائرہ خلافت میں آ گئیں اور یوں ایک بہت بڑی اسلامی ریاست کے لئے ایک ہمہ گیر نظام حکومت کی ضرورت پیدا ہوئی چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ ہی کے ہاتھوں ایک ایسا باقاعدہ نظام حکومت تشکیل پایا جس میں اجتماعیت کے مختلف بنیادی شعبوں کو اپنی انفرادی ساخت کے اعتبار سے ضروری سانچے فراہم کر دیئے گئے تھے۔

جمہوریت اور آمریت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں نظام حکومت کے کاروبار میں عوام کا براہ راست یا بالواسطہ عمل دخل ہوتا ہے جبکہ ثانی الذکر میں اس تصور کا وجود ہی نہیں ہوتا' معاملات حکومت ایک شخص کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک حکومت میں رعایا کو دخل دینے کا جس قدر حق و اختیار ہوگا' اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا جبکہ آمریت میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک کے جوہر قابل کی اہلیت رائیگاں جاتی ہے اور عدم استعمال کے باعث رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسرے عوام کے اجتماعی حقوق کو تحفظ بھی حاصل نہیں ہو پاتا کیونکہ آمر مطلق کے سامنے فیصلے کرتے وقت صرف ذاتی یا گروہی مفادات ہوتے ہیں۔ اس کے ردعمل کے طور پر عوام میں بھی اجتماعی بہبود کا خیال ختم ہونے لگتا ہے جس کے نتیجے میں پیدا

دور خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے "واحد" ملک کا نقشہ

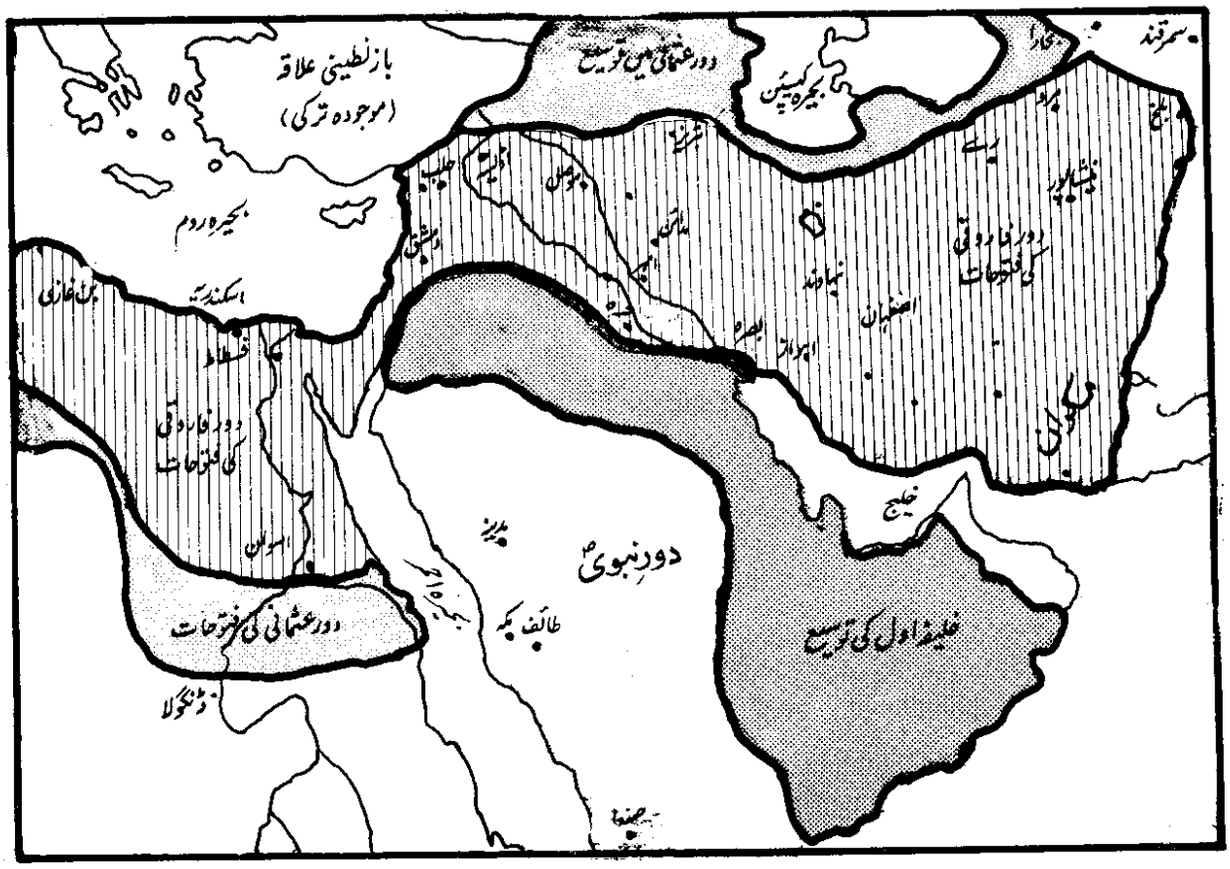

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علاقہ چھوڑا

خلیفہ اول کے زمانے میں توسیع

خلیفہ دوم کے عہد زریں میں فتوحات

خلیفہ سوم کے زمانے میں توسیع

ہونے والی نفسانفسی طوائف الملوکی کا رنگ اختیار کرلیتی ہے۔

جمہوریت کا اس زمانے میں نہ نام موجود تھا نہ کوئی اس کا نام لیوا۔ اس کے باوجود جناب عمر فاروقؓ نے خلافت کے جس سیاسی نظام کو مستحکم کیا وہ "مشاورت" پر مبنی ہونے کی وجہ سے اپنے جسد میں جمہوریت کی اصل روح کو سموئے ہوئے تھا۔ عرب میں ایک مدت سے تین وسیع حکومتوں کے اثرات پائے جاتے تھے جن کی دیکھا دیکھی اس جزیرہ نما میں موجود برائے نام حکومتوں' لخمی' حمیری اور غسانی کی ساخت بھی ایسی تھی کہ جس کے ڈانڈے آمریت سے جا ملتے تھے۔ اگرچہ قبائل کے سرداروں کا تقرر ایک طرح کے انتخاب سے ہی ہوتا تھا تاہم ان سرداروں کی حیثیت ملکی حکومتوں کے مختاروں کی نہیں بلکہ سپاہ سالاروں یا قانیوں کی سی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی بطور خلیفہ اول تقرری کا رنگ بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کا فیصلہ ایک خاص جگہ موجود صحابہؓ کے اتفاق رائے سے ہوا لیکن یہ ایک فوری اور ہنگامی نوعیت کی کارروائی تھی جسے حتمی لائحہ عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عرب کے گرد و پیش پر نگاہ ڈالئے تو واضح ہوتا ہے کہ آس پاس کی سلطنتیں بھی کسی طور پر جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے یہ تصور ہی موجود نہ تھا البتہ روم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ماضی بعید میں عوامی رائے کے احترام کا دستور تھا۔ مگر ایک بات یقینی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے تک آتے آتے وہاں بھی حکومت کا رنگ آمریت کا ہی بن چکا تھا اور وہ ایک ایسی جابرانہ حکومت کی صورت اختیار کر چکی تھی جس میں حاکم وقت مختار کل ہوتا ہے۔ گویا جس جمہوری حکومت کی داغ بیل حضرت عمر فاروقؓ نے ڈالی اس کی کوئی عملی مثال اس وقت ان کے سامنے موجود نہ تھی اور انہوں نے جو بھی اخذ کیا وہ قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ سے لیا۔ اور یوں اگرچہ وقت کی محدود ضروریات کی وجہ سے اس نظام حکومت کے تمام بنیادی اصول

بالتفصیل تو مرتب نہ ہو پائے تاہم وہ چیزیں جو جمہوریت کی روح ہیں' سب وجود میں آگئیں۔ اسی سے مستنبط ہوتا ہے کہ اسلام کا مزاج لامحالہ جمہوری ہے۔ یہ جمہوریت مروجہ مغربی جمہوریت سے ایک اعتبار سے تو بنیادی طور پر مختلف ہے یعنی یہ کہ اس میں حاکمیت عوام کی کامل نفی اور پورا دارومدار حاکمیت الٰہی پر ہے لیکن اپنے مزاج میں شورائی ہونے کے ناطے خلافت کا سیاسی نظام جمہوریت کی روح سے مغربی جمہوریت کے مقابلے میں کہیں زیادہ قریب ہے۔

دور فاروقی میں نظام حکومت کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا۔ جب بھی کوئی انتظامی یا انصرامی مرحلہ درپیش ہوتا تھا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کیا جاتا اور کوئی امر مشاورت اور کثرت رائے کے بغیر عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ پوری امت کے پیشوا اس وقت دو گروہ تھے' انصار اور مہاجرین۔ انہی کو تمام عرب نے گویا مجلس شوریٰ میں اپنا نمائندہ اور قائم مقام تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بہرصورت ایک واقعہ ہے جس کی تفصیل اور وجوہات بیان کرنا اس مضمون کا حصہ نہیں ہے تاہم آج کے حوالے سے یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ چونکہ انصار و مہاجرین کی طرح آج لوگوں کے درجات و مراتب کا تعین ممکن نہیں ہے لہٰذا اب نظام خلافت میں شوریٰ کے نمائندوں کو مسلمانوں کی کثرت رائے سے منتخب کیا جائے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی مجلس شوریٰ میں مہاجرین اور انصار کے دونوں قبیلوں' اوس وخزرج کے سرکردہ اصحاب رائے لازماً شامل ہوتے تھے۔ کنزالاعمال میں بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳' صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ حیدر آباد دکن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' عبدالرحمٰن بن عوفؓ' ابی بن کعبؓ' معاذ بن جبلؓ اور زید بن ثابتؓ سے ان کی مجلس شوریٰ کبھی خالی نہیں رہی۔ مجلس کے انعقاد کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کیا کرتا تھا " الصلوۃ الجامعہ" یعنی نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔ پھر حضرت عمرؓ دو رکعت ادا کر کے منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دیتے تھے اور یوں بحث طلب امر مجلس کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ (بحوالہ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷۴)

روزمرہ کے معاملات میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے تاہم جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو مہاجرین و انصار کا ایک اجلاس عام بھی منعقد ہوتا تھا اور متعلقہ معاملہ سب کے اکثریتی اتفاق رائے کے بعد طے پاتا تھا۔ مثال کے طور پر عراق اور شام کی فتوحات کے موقع پر خراجی زمینوں کا معاملہ سامنے آیا تو سب سے بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں عام مسلمانوں کے علاوہ تمام زعمائے مہاجرین کے ساتھ ساتھ دس بڑے بڑے انصاری سردار جن میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ خزرج میں سے تھے' شامل ہوئے اور نہایت آزادی اور بیباکی سے تقاریر بھی کیں۔ یہ مجلس کئی روز تک جاری رہی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی تقریر میں سے چند الفاظ یہاں درج کئے جاتے ہیں جن سے منصب خلافت کی نوعیت و حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے:-

اے لوگو! میں تمہیں کسی اور بات کے لئے تو مکلف نہیں کرتا سوائے اس بات کے کہ تم اس بار امانت کو اٹھانے میں میری مدد کرو جو تمہارے معاملات کا میرے کندھوں پر ہے۔ چونکہ آخر میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ لوگ میری ہوائے نفس کی پیروی کریں۔

(بحوالہ کتاب الخراج از قاضی ابویوسف صفحہ ۱۴'۱۵)

۲۱ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ درپیش ہوا اور کفار نے اس سرد سامان سے تیاری کی کہ بعض صحابہؓ کی رائے میں خلیفہ وقت یعنی حضرت عمر فاروقؓ کا بہ نفس نفیس اس مہم پر تشریف لے جانا ضروری ہو گیا تھا' تب بھی سب سے بڑی شوریٰ منعقد ہوئی اور حضرات عثمانؓ' زبیر بن العوامؓ' طلحہ بن عبیداللہؓ' عبدالرحمٰن بن عوفؓ' علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین نے تقاریر کیں اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کا دارالسلطنت یعنی مدینہ میں رہنا زیادہ اہم ہے۔ اسی طرح افواج کی تنخواہ' دفاتر کی ترتیب' عمال کا تقرر' غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور محصول وغیرہ جیسے معاملات کے بارے میں تواریخ میں یہ صراحت مذکور ہے کہ یہ مجلس شوریٰ میں پیش کئے جانے کے بعد طے پائے۔ ان مواقع پر ارکان مجلس کی تقاریر تک تواریخ میں مذکور ہیں۔ یہ مشاورت محض استحسان یا تبرک کے طور نہ تھی بلکہ حضرت عمر فاروقؓ نے مختلف مواقع پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشاورت کے بغیر خلافت سرے سے ہی جائز نہیں ہے (بحوالہ کنز الاعمال مصنف بن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹)

روز مرہ انتظامات اور ضروریات کی مشاورت کے لئے مسجد نبویؐ میں ایک اور مجلس بھی منعقد ہوا کرتی تھی مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ پہلے اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلازری کے ایک ضمنی تذکرے میں یہ الفاظ ہیں:-

مہاجرین کا ایک گروہ مسجد نبویؐ میں مجلس جمائے ہوتا تھا اور حضرت عمرؓ ان کے ساتھ بیٹھ جاتے اور ان سے گفتگو کرتے دنیا جہان کے ان معاملات کے بارے میں جو انہیں درپیش ہوتے۔ پس ایک روز انہوں نے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجوسیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

جمہوریت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور ضروریات کے اظہار اور حصول کا پورا اختیار اور موقع حاصل ہو۔ اس اصول کو آج کی زبان میں شخصی آزادی کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اس شخصی آزادی کا التزام بہ تمام و کمال موجود تھا۔ لوگ علانیہ طور پر اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ دور دراز کے علاقوں سے قریباً ہر سال سفارشیں آتی تھیں جنہیں وفود کہتے تھے اور ان کا مقصود یہ رہتا تھا کہ مرکزی خلافت کے علم میں دور دراز کے مقامی حالات و شکایات کو لایا جائے اور دادرسی حاصل کی جائے۔ خود حضرت عمرؓ نے بارہا اپنے خطبات میں اس حق کا اعلان کیا اور اپنے فرمانوں میں اس کی صراحت فرمائی۔ حتیٰ کہ اکثر اوقات تمام عمالان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا گویا اس شخصی آزادی کے تصور کو قانون کا درجہ دیا۔

انتظامی امور میں رعایا کی شراکت مجلس شوریٰ تک ہی محدود نہ تھی' علاقوں اور اضلاع کے حکام بھی رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بعض اوقات بعینہٖ انتخاب کا طریقہ ہی عمل میں آتا تھا۔

کوفہ' بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان صوبوں میں لوگوں کی پسند کا ایک ایک منتخب شخص بھیجنے کے فرامین ارسال کئے چنانچہ ان علاقوں سے لوگوں نے اکثریتی انتخاب کے ذریعے دیانت دار اور قابل افراد کا تعین کر کے بھیجا۔ کوفہ سے عثمان بن فرقد' بصرہ سے حجاج بن علاط' شام سے معن بن یزید کو بھیجا گیا اور حضرت عمرؓ نے ان کی تقرری فرمادی۔ قاضی ابویوسف نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا:-

عمر بن الخطابؓ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ اپنے بھلے اور نیک نام لوگوں میں سے ایک آدمی میری طرف بھیجیں اور یہی اہل بصرہ کو لکھا اور ایسا ہی فرمان اہل شام کو بھیجا تو پھر اہل کوفہ نے اس کے جواب میں عثمان بن فرقد کو' اہل شام نے معن بن یزید کو اور اہل بصرہ نے حجاج بن علاط کو روانہ کیا جو سب کے سب معروف طور پر نیک نام تھے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حضرت عمرؓ نے ان میں سے ہر ایک کو اپنے علاقے میں خراج کی وصولی پر مامور فرمایا۔

(بحوالہ کتاب الخراج صفحہ ۶۴)

احتساب اور ازالہ شکایات کے ثبوت کے طور پر فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسی جلیل القدر شخصیت کی مثال حرف آخر ہے جن کو محض اس لئے معزول کر دیا گیا کہ ان کے رویے کے خلاف ان کی رعایا کو کچھ شکایات پیدا ہو گئی تھیں۔

جمہوریت کی اساس مساوات ہے اور لازم ہے کہ مقتدر اعلیٰ تک ہر شخص ہر قسم کے حقوق میں عوام الناس کے ساتھ برابری رکھتا ہو اور کسی قانون کے دائرہ اثر سے مستثنیٰ اور بالاتر نہ ہو۔ عام معاشرت اور دیگر روزمرہ معاملات میں خلیفہ کی حاکمانہ حیثیت کا بھی قطعاً کوئی لحاظ نہ کیا جاتا ہو اور اختیارات کی حدبندی کے لئے ہر شخص کو اس پر سرعام تنقید' احتساب اور نشاندہی کا حق حاصل ہو۔ دور فاروقی میں ان تمام امور کا اس درجہ التزام موجود تھا کہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہ تھا--- آپؓ متعدد مواقع پر اس تعین کا اظہار فرمایا کرتے تھے جو مسند نشینی کے بعد خلیفہ ریاست کی حیثیت یا یوں کہئے کہ کم حیثیتی کا غماز تھا۔ اپنے محدود اختیارات اور دوسروں کے خود پر حقوق کی نشاندہی سے متعلق ان کی ایک تقریر کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں' ان سے اسلامی ریاست کے سربراہ کی آئینی حیثیت واضح ہوتی ہے:-

مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور سے جمع نہ کیا جائے۔ ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھا دوں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔ ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر مجمع عام میں ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ کو مخاطب کر کے کئی بار با آواز بلند یہ کہا کہ اے عمر-! اللہ سے ڈر-!! حاضرین میں سے کسی نے اسے روکا تو آپؓ نے فرمایا کہ نہیں-! اسے کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔ (کتاب الخراج صفحہ ۷)۔ انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ خلافت و حکومت کے حدود و اختیارات ہر شہری پر گویا اظہر من الشمس ہو گئے تھے جن میں آمریت' شخصی اقتدار اور صوابدید مطلق کا دور دور تک کوئی پرتو' کوئی شائبہ نہیں تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے رومی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت جمہوریت کی ہی اصل تصویر ہے اور سچ تو یہ کہ جمہوریت کی حقیقت آج بھی اس سے زیادہ وضاحت و صراحت سے بیان ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

بقیہ سیاسیات پاکستان

پہلوؤں پر سوچنا شروع کر دیا۔ اس نے حساب لگایا کہ اس پاکستان کی کل آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہو گی جو پورے ہندوستان کی کل آبادی کا ۴% سے بھی کم ہو گی اس طرح جناح اور اس کے پرجوش حامیوں کا منہ بھی بند کر دیا جائے۔ اور اس ننھے منے پاکستان کی تشکیل سے ہند کی وحدت بھی کچھ خاص متاثر نہیں ہو گی کیونکہ درحقیقت پاکستان کو ایک بڑی ہندوستانی ریاست کا درجہ حاصل ہو گا جس نے آئین ساز اسمبلی میں شمولیت اختیار نہیں کی۔

اس نئی سوجھنے والی ترکیب پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن بڑا مسرور تھا لہٰذا وہ خود اپنے تاثرات یوں قلمبند کرتا ہے "اب ایک نئی راہ کھل گئی ہے' اب ہم بقیہ ہندوستان کے لئے دہلی میں ایک مضبوط مرکز کو برقرار رکھتے ہوئے مسٹر جناح کو ایک کٹا پھٹا پاکستان دینے کا کام شروع کر سکتے ہیں"۔ یہ سب اس مفروضے پر تھا کہ صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت برقرار رہے اور مسلم لیگ ایک ایسے صوبے کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہ ہو جسے اپنی آمدنی کے علاوہ ساڑھے تین کروڑ روپے (خصوصاً قبائل کے لئے) درکار ہوں گے اور دوسرا یہ کہ سہروردی تقسیم بنگال پر آمادہ نہ ہو گا۔ لیکن اس تجویز کو سامنے لانے والے جلد ہی مشکلات کا شکار ہو گئے جب یہ بات سامنے آئی کہ اگر بنگال ایک یونٹ کی حیثیت سے الگ کیا گیا تو پنجاب میں سکھ بھی یہی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ برطانوی حکومت ۲۰ فروری کے اعلان کے مطابق اس بات کی پابند تھی کہ اگر کوئی تصفیہ نہ ہوا تو وہ صوبوں کو اقتدار منتقل کر دے گی اور یہ نہایت ہی کٹھن کام تھا اس لئے کہ فوج کو تو دو حصوں میں تقسیم کرنا بڑا دشوار ہو رہا تھا' اس کے اتنے حصے بخرے کیسے کئے جا سکتے تھے!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا مقصد بعثت
ڈاکٹر اسرار احمد
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
اشاعت خاص - ۲۰ روپے عام - ۱۰ روپے

پہلی سہ ماہی کی کارکردگی

ابھی ابتدائی مراحل طے ہو رہے ہیں

تحریک کی مرکزی خلافت کمیٹی کے باضابطہ اجلاس میں یہ رپورٹ جنرل سیکرٹری نے پیش کی

۲ر جولائی کو لاہور میں تحریک خلافت پاکستان کی مرکزی خلافت کمیٹی کا باقاعدہ اجلاس ہوا جس کی اطلاع دو ہفتے قبل کمیٹی کے اراکین کو ایجنڈے سمیت مل چکی تھی۔ کراچی' رحیم یار خاں' ملتان' لاہور' فیصل آباد' گوجرانوالہ' راولپنڈی اسلام آباد' آزاد کشمیر اور پشاور سے منتخب اراکین کے علاوہ لاہور کے منتخب اراکین اور مرکزی عہدیداران نے بھی اجلاس میں شرکت کی۔ صدارت داعی تحریک' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کی۔ ناظم اعلیٰ' انجینئر مختار حسین فاروقی نے تلاوت قرآن پاک سے اجلاس کا آغاز کیا اور پھر ضابطے کی دوسری کارروائی اور ایجنڈے کے مطابق متعین امور نمٹانے سے پہلے جنرل سیکرٹری' عبدالرزاق صاحب کی طرف سے گزشتہ سہ ماہی کی ایک رپورٹ پیش کی گئی جو معاونین تحریک کی دلچسپی کے پیش نظر ان صفحات میں دی جا رہی ہے ------ ادارہ

تحریک خلافت پاکستان سوسائٹیز ایکٹ کے تحت 13 دسمبر 92ء کو باقاعدہ رجسٹر ہوگئی۔ اس سے قبل عبوری نظم کے تحت مختلف شہروں کی سطح پر کنوینرز مقرر تھے جو پانچ رکنی کنوینگ کمیٹی کے مشورے سے تحریک کے عمومی تعارف اور دعوت میں مصروف عمل تھے۔ تحریک کے دستور کے مطابق تحریک کی رجسٹریشن کے چھ ماہ کے اندر ایک ملک گیر کنونشن اور مرکزی و علاقائی خلافت کمیٹیوں کے انتخابات کروانے ضروری تھے چنانچہ ان مراحل سے گزرنے کے لئے 15 جنوری 93ء کو کنوینگ کمیٹیوں کے ارکان کا ایک مشاورتی اجلاس لاہور میں طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ:

1- 10 تا 25 اپریل 93ء دستور کے مطابق علاقائی خلافت کمیٹیوں کے انتخابات کروائے جائیں۔

2- یکم مئی 93ء کو ملتان میں تحریک خلافت کا آل پاکستان کنونشن منعقد ہو۔

3- رمضان المبارک کے دوران زیادہ سے زیادہ عوامی رابطے کے پروگرام کرکے تحریک کے حلقے کو وسیع کیا جائے۔

انتخابات سے قبل ذمہ دار ساتھیوں کو رمضان المبارک کی صورت میں ایک بہترین موقع میسر آگیا تھا کہ وہ معاونین تحریک سے ذاتی رابطہ کرکے انہیں علاقائی خلافت کمیٹیوں کے اراکین کے انتخاب کے لئے تیار کریں۔ چنانچہ رمضان المبارک کے دوران ذمہ دار معاونین نے اپنے اپنے علاقوں میں افطاری کے پروگرام منعقد کئے اور معاونین تحریک کے علاوہ دیگر افراد کو بھی تحریک سے متعارف کروایا۔ یہ رابطہ عوام مہم رمضان المبارک کے دوران بھرپور طور پر چلائی گئی۔

انتخابات:

داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے علاقائی خلافت کمیٹیوں کے اراکین کے انتخابات کے لئے جناب مختار حسین فاروقی صاحب کو ناظم انتخاب مقرر فرمایا اور ان کی معاونت کے لئے چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب اور راقم کو مقرر کیا۔ انتخابات کا مکمل شیڈول تیار کرکے "ندائے خلافت" کے سرکلر ایڈیشن میں شائع کیا گیا اور تمام معاونین کو مفصل ہدایات کے ہمراہ بھجوایا گیا۔ ہر حلقے میں اہم مقامات پر اس حلقے کے معاونین کی فہرستیں بھی مہیا کردی گئیں تاکہ معاونین کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے سہولت میسر ہو۔

آزاد کشمیر' راولپنڈی' بنوں اور بہاولپور ڈویژنوں میں جناب مختار حسین فاروقی صاحب نے پشاور اور سرگودھا ڈویژنوں میں جناب رحمت اللہ بٹر صاحب اور کراچی' لاہور اور گوجرانوالہ میں راقم نے انتخابات کی نگرانی کے فرائض انجام دیئے۔ چنانچہ ان دس مقامات پر مقررہ شیڈول کے مطابق انتخاب کا مرحلہ مکمل کرلیا گیا۔ انتخاب کے نتائج "ندائے خلافت" کے باقاعدہ شمارے میں شائع کردیئے گئے اور تمام منتخب اراکین کو بھی فرداً فرداً مطلع کردیا گیا۔

آل پاکستان خلافت کنونشن:

ملک گیر خلافت کنونشن کے لئے یکم مئی کی تاریخ اور ملتان شہر کا چناؤ اگرچہ معاونین کے لئے خاصا پریشان کن تھا کیونکہ ملتان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ؎

چہار چیز است تحفہ ملتان گرد و گرما' گدا و گورستان

لیکن مشکل یہ تھی کہ دستور کے مطابق تحریک کی رجسٹریشن کی تاریخ سے چھ ماہ کے اندر کنونشن بلانا ضروری تھا۔ بہرحال تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کے ناظم اور تحریک خلافت کے ناظم انتخاب جناب مختار حسین فاروقی صاحب کو اس کنونشن کے انعقاد کی ذمہ داری سونپی گئی۔ انہوں نے مقامی ساتھیوں کی ٹیم کے ساتھ کنونشن کی تیاری شروع کی اور مقررہ مدت میں کنونشن کی تشہیر اور دیگر انتظامات کو مکمل کر

لیا۔ یہ کنونشن ریلوے سپورٹس گروانڈ ملتان میں منعقد ہوا۔ ملک کے تمام اہم شہروں اور قصبوں سے معاونین تحریک نے اپنے احباب کے ہمراہ کنونشن میں شرکت کی۔ گرمی کی شدت کے باوجود کنونشن کا پروگرام پورے سکون سے جاری رہا۔ کنونشن کا پروگرام صبح ۹ بجے سے دوپہر ایک بجے تک جاری رہا جس میں مختلف شہروں سے آئے ہوئے منتخب مقرر معاونین نے مختصر خطاب کیا۔ آخر میں داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے نظام حکومت کے خدوخال اور اس کی برکات کے موضوع پر مفصل خطاب فرمایا۔ کنونشن میں ملک کے مختلف حصوں سے معاونین کی حاضری اطمینان بخش تھی لیکن مقامی لوگوں کی حاضری توقع سے کافی کم تھی۔ کنونشن کے اختتام پر علاقائی خلافت کمیٹیوں کے اراکین انجمن خدام القرآن پنجاب کے مرکزی دفتر ۲۵/ آفیسرز کالونی میں جمع ہو گئے جہاں ان کے قیام و طعام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شام کو بعد نماز عصر ان اراکین نے اپنے اپنے حلقے سے مرکزی خلافت کمیٹی کے لئے دو دو نمائندوں کو منتخب کیا۔ اس طرح مرکزی خلافت کمیٹی کا انتخاب مکمل ہو گیا۔ اسی موقع پر داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جناب مختار حسین فاروقی صاحب کو آئندہ کے لئے ناظم تحریک (جن کے منصب کا نام اب ناظم اعلیٰ ہے) مقرر کیا اور راقم کو سیکرٹری تحریک کی ذمہ داری تفویض کی۔ قواعد کے مطابق ناظم تحریک نے داعی تحریک کے مشورے سے ہر حلقہ جاتی خلافت کمیٹی کے ارکان میں سے علاقائی ناظم تحریک کا تقرر کیا۔ مرکز تحریک کی جانب سے ہر کمیٹی کے ناظم کو معاونین سے زرتعاون اکٹھا کرنے کے لئے رسید بکس، خط و کتابت کے لئے لیٹر پیڈ اور دیگر پمفلٹ اور تعارفی لٹریچر فراہم کیا گیا تاکہ تمام علاقوں میں فی الفور دعوتی و تنظیمی کام کا آغاز کیا جا سکے۔ محترم داعی تحریک کے مختصر خطاب اور دعا کے ساتھ ہی کنونشن کی اس شت کا بھی اختتام ہو گیا۔

محترم داعی تحریک نے مرکزی سطح پر ناظم تحریک اور سیکرٹری کا اعلان تو کنونشن کے موقع پر کر دیا تھا۔ بعد میں موصوف نے مرکزی خلافت کمیٹی کے اراکین میں سے چار مزید حضرات کو مختلف عہدوں کی ذمہ داری سونپی۔

سید معین الدین شاہ صاحب ناظم بیت المال
جناب اقتدار احمد صاحب ناظم نشرواشاعت
چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم تربیت
جناب ایس۔ایم۔انعام صاحب محاسب

ان چھ حضرات پر مشتمل مرکزی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس ۹ مئی ۹۳ صبح ۸ بجے محترم داعی تحریک کی صدارت میں قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوا جس میں مرکزی اور علاقائی خلافت کمیٹیوں کے بنک اکاؤنٹس کھلوانے کے لئے ایک قرار داد منظور کی گئی اور فنڈز اکٹھا کرنے اور ذمہ دار حضرات کے خرچ کے اختیارات کے تعین وغیرہ پر گفتگو ہوئی۔ نیز مرکزی دفتر کے قیام اور اس کی ضروریات کا جائزہ لیا گیا۔

دوسرا اجلاس ۲۴ مئی ۹۳ کو قرآن اکیڈمی لاہور ہی میں محترم داعی تحریک کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی دو شتیں ہوئیں۔ پہلی شت میں جو ۹ بجے صبح تا ۱۱ بجے تک ہوئی، بتایا گیا کہ مرکزی خلافت کمیٹی کی سطح پر دستور کے مطابق مقامی یونائیٹڈ بنک لٹن روڈ لاہور برانچ میں دو اکاؤنٹ کھولنے کی ہدایات جاری کر دی گئی ہیں۔ تحریک کے لئے مالی وسائل کی فراہمی کا انتظام کرنے کے لئے مختلف تجاویز پر مفصل گفتگو ہوئی اور معاونین سے ان کا مقرر کردہ زرتعاون وصول کرنے کی راہ میں بعض مشکلات کا بھی جائزہ لیا گیا۔ اسی ضمن میں تحریک خلافت کے نظم کو صوبائی اور ضلعی سطح تک توسیع دینے کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی۔ وقت کی قلت کے باعث ان مسائل پر مزید گفتگو اور ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی ناظم تحریک کی سربراہی میں قائم کی گئی تاکہ وہ اپنی سفارشات مرتب کر کے اگلی شت میں پیش کر سکے۔

شام کو دوسری شت میں کمیٹی کی سفارشات پیش کی گئیں جن میں مجوزہ امور کے علاوہ آئندہ چھ ماہ کی منصوبہ بندی اور اخراجات کے تخمینے کا خاکہ بھی پیش کیا گیا تھا۔ ان سفارشات پر آئندہ اجلاسوں میں غور و فکر اور گفتگو جاری رکھتے ہوئے درج ذیل فیصلے کئے گئے:

(i) آئندہ پانچ ماہ میں (جون تا اکتوبر) تمام علاقائی خلافت کمیٹیاں اپنے اپنے علاقوں میں ایک ایک جلسہ خلافت منعقد کرنے کا اہتمام کریں جس میں داعی تحریک کا خصوصی خطاب بھی ہو۔

(ii) رسید بکس زیادہ تعداد میں علاقائی خلافت کمیٹیوں کو فراہم کر دی جائیں تاکہ وہ ذمہ دار حضرات کو زرتعاون اکٹھا کرنے کے لئے دی جا سکیں۔

(iii) ناظمین کے سفر خرچ کے حوالے سے طے کیا گیا کہ انہیں ٹرین میں سفر کی صورت میں زیادہ سے زیادہ سلیپر کلاس کی سہولت حاصل ہو گی۔ بذریعہ سڑک سفر کی صورت میں فلائنگ کوچ یا ایئر کنڈیشنڈ بس میں سفر کیا جا سکے گا۔ ہوٹل وغیرہ سے طعام کی صورت میں زیادہ سے زیادہ پچاس روپے (=/۵۰) یومیہ وصول کیا جا سکے گا۔

(iv) ہفت روزہ "ندائے خلافت" جو تحریک خلافت کا ترجمان ہے، تاحال خسارے میں چل رہا ہے۔ اس کا خسارہ اب تک تنظیم اسلامی برداشت کر رہی تھی۔ یہ طے ہوا کہ یکم مئی ۹۳ء سے یہ خسارہ تحریک خلافت برداشت کرے گی۔

(v) تحریک کے مرکزی سیکرٹریٹ میں ضروری فرنیچر اور آفس کی ابتدائی ضروریات کے لئے مبلغ پندرہ ہزار روپے منظور کئے گئے۔ نیز سٹاف کی تنخواہ اور معمول کے اخراجات مثلاً ٹیلیفون، بجلی، اسٹیشنری وغیرہ کی مد میں مبلغ پندرہ ہزار روپے ماہانہ خرچ کی منظوری دی گئی۔

(vi) دستور میں دو ترامیم پیش کی گئیں جنہیں اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا:

(ا) ناظم تحریک مرکزی خلافت کمیٹی آئندہ سے ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان کہلائیں گے۔

(ب) تحریک کے کسی بھی وقت کسی سبب سے ختم ہونے کی صورت میں اس کے تمام اثاثے تنظیم اسلامی پاکستان کی بجائے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ کو منتقل ہو جائیں گے۔

مرکزی مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق گزشتہ ڈیڑھ ماہ کے دوران چار حلقوں میں جلسہ ہائے خلافت منعقد کئے گئے۔ ۲۵/ مئی کو راولپنڈی ڈویژن میں مری کے مقام پر، ۱۳/ جون کو میانوالی سرگودھا ڈویژن میں، ۱۷/ جون کو سیالکوٹ گوجرانوالہ ڈویژن میں اور ۲۳/ جون کو مظفر آباد آزاد کشمیر ڈویژن میں چاروں مقامات پر جلسوں کے انعقاد کے لئے معاونین تحریک نے پورے جوش و خروش سے محنت کی اور تشہیر کے تمام ذرائع مثلاً پوسٹروں، ہینڈبلوں، بینروں کے علاوہ اخباری اشتہار اور گاڑی پر گشتی اعلان وغیرہ استعمال کئے۔

اول الذکر تینوں مقامات پر حاضری کا اوسط چار سے پانچ سو کے درمیان رہا جبکہ مظفر آباد میں عین جلسہ کے وقت طوفان بادوباراں کے باعث جلسہ کے مقام کو مقامی جامع مسجد میں منتقل کرنا پڑا جہاں حاضری ڈیڑھ سو سے دو سو افراد تک ہی ہو سکتی تھی۔ اثر پذیری کے اعتبار سے میانوالی کا پروگرام سب

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

(نویں قسط)

تاریخ سیاسیات پاکستان

ماؤنٹ بیٹن کو دُور کی سُوجھی تھی

مرزا ایوب بیگ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وائسرائے ہند کے عہدے کا چارج سنبھالتے ہی ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا اور خاص طور پر قائداعظم اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں کی طرف توجہ دی۔ اس واقعے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۵ اپریل اور ۱۰ اپریل ۴۷ء کے درمیان لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائداعظم کے درمیان چھ ملاقاتیں ہوئیں' لیاقت علی خان سے ملاقاتیں اس کے علاوہ تھیں۔ اس دور کی دستاویزات دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سابق وائسرائے ہند لارڈ ویول کی نسبت لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقاتوں میں قائداعظم کو خاصی دقت ہوئی اور بعض اوقات مذاکرات کے دوران ماحول کشیدہ ہوگیا۔

لارڈ ماونٹ بیٹن نے ان ملاقاتوں سے پہلے ماہرین کی ایک کمیٹی کے سپرد صرف یہ کام کیا تھا کہ آزادی ہند اور تحریک پاکستان کی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ایسا مواد اسے مہیا کریں جسے مسلم لیگ کے موقف کے خلاف استعمال کیا جاسکے اور قائداعظم تقسیم ہند کے حق میں آج تک جو بھی دلائل دیتے رہے ہیں' ان کا توڑ کیا جاسکے۔ اس نے ماضی کے برعکس قائداعظم' مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کو عملی طور پر ایک وحدت تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور ان سے الگ الگ رابطے شروع کئے۔ اس نے قائداعظم کو کٹے پھٹے پاکستان کی بجائے دوبارہ وزارتی مشن منصوبے کی طرف لانا چاہا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ تم پورا پنجاب' پورا بنگال بشمول کلکتہ اور پورا سندھ جو تمہیں وزارتی مشن منصوبہ کے ذریعے حاصل ہوسکتے ہیں اور جو آنے والے دور میں ایک آزاد ملک' پاکستان میں تبدیل ہوسکتے ہیں کو چھوڑ کر کٹے پھٹے لیکن فوری طور پر وجود میں آنے والے پاکستان کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو!

قائداعظم متعدد بار اس کی منطق اور مدلل گفتگو سے پریشان ہوئے لیکن عملاً اس بات پر ڈٹے رہے کہ انہیں ایک قابل عمل پاکستان چاہئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس سلسلے میں لیاقت علی خان سے متعدد ملاقتیں کیں اور وہ یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگیا کہ لیاقت علی خان بہت سے معاملات میں قائداعظم کی طرح سخت نہیں ہیں اور ان کے خیالات میں خاصا تضاد ہے۔ (یہی تضاد پاکستان بننے کے بعد مزید گہرا ہوتا چلا گیا)۔ کانگرس کے رویے' سیاسی قلابازیوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی آزاد ہندوستان پر مکمل بالادستی کی خواہش کا قائداعظم پر شدید ردعمل ہوا اور ایک آزاد پاکستان جو کسی بھی طرح قابل عمل ہو' ان کا جزو ایمان بن گیا اور اب وہ آزاد پاکستان کے علاوہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔

انہی دنوں ہندوستان میں برطانوی ہائی کمشنر ایلن شون' جناح سے ملاقات کے بعد اپنی ڈائری میں تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: "مسٹر جناح کا اپنے مطالبہ پاکستان پر اصرار اس قدر بے لچک ہوچکا ہے کہ ان کے ذہنی مریض ہونے کا گمان ہوتا ہے" ادھر گاندھی اور نہرو کے مشورے سے برطانوی حکومت نے اس بات کو خوب اچھالا کہ اگر پاکستان اتنا ہی ناگزیر ہوچکا ہے تو پنجاب اور بنگال کو تقسیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ پنجاب اور بنگال کے مسلمان عوام یہ پسند نہیں کریں گے اور مسلمانوں کو قائداعظم کے خلاف برگشتہ کیا جاسکے گا۔ بعض مسلم لیگی لیڈر بھی لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اس دھمکی سے خوفزدہ ہوچکے تھے کہ وہ یکطرفہ طور پر اقتدار منتقل کرکے چلا جائے گا اور برطانوی فوجی افسروں کو بھی فوری طور پر ساتھ لے جائے گا لہٰذا مسلمان جن کا فوج میں تناسب پہلے ہی کم تھا اور جنگ عظیم II کے بعد مزید کم ہوا تھا' مکمل طور پر ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ان دنوں بہت سے مسلم لیگی لیڈروں نے بھی اندرون خانہ قائداعظم کے بے لچک ہونے پر تنقیدیں شروع کردیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن تمام معاملات کو ایک منصوبے کے تحت چلا رہا تھا۔ ۱۵ اپریل ۴۷ء کو اس نے تمام صوبوں کے گورنروں کی میٹنگ طلب کرلی اور تمام صوبوں کے حالات کا جائزہ لیا۔ بنگال کا گورنر خود نہیں آسکا تھا' اس کی نیابت اس کا معاون ٹائی سن کر رہا تھا۔ ٹائی سن نے بنگال کے حالات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں مسلم لیگی حکومت کے وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ۲۰ فروری کا برطانوی اعلان سننے کے بعد فوری طور پر کہہ دیا تھا کہ بنگال میں اس کی حکومت کو اقتدار منتقل ہوگا۔ وہ آزاد بنگال کا خواہاں ہے جو برطانوی دولت مشترکہ کا رکن ہوگا لیکن وہاں کے ہندو ایک مسلم لیگی حکومت کے تحت رہنے پر آمادہ نہیں ہیں وہ ایک آزاد متحدہ بنگال کی بجائے ہندو اکثریت کے اضلاع کو الگ کرکے باقی ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کو ترجیح دیں گے۔ ٹائی سن کی رائے تھی کہ مغربی بنگال میں چونکہ کلکتہ شامل ہوگا اس لئے یہ معاشی اعتبار سے قابل عمل ہوسکے گا لیکن مشرقی بنگال علیحدہ ہونے کی صورت میں قطعاً قابل عمل نہیں ہوگا۔ وہ اپنی خوراک تک پیدا نہ کرسکے گا' چاہے پٹ سن کو ترک کرکے وہاں کاشت کار خوردنی فصلیں ہی کیوں نہ کاشت کرنی شروع کردیں۔

بنگال کے بارے میں یہ جائزہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے لئے بڑا حوصلہ افزا تھا۔ وہ ہر صورت میں قائداعظم کے بازو کاٹ دینا چاہتا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے سوال کیا کہ اگر جناح نے کٹا پھٹا پاکستان منظور کرلیا تو بنگال کے وزیراعلیٰ سہروردی کا ردعمل کیا ہوگا؟ ٹائی سن نے جواب دیا کہ سہروردی بنگال کو ایک الگ یونٹ کے طور پر رکھنے کے لئے اپنا پورا زور صرف کردے گا۔ وہ شمال مغربی مسلم صوبوں کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور بنگال کو ایک الگ آزاد یونٹ کی حیثیت سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہے۔ اجلاس کے آخر میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا "میں اس اجلاس کی کارروائی سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ بنگال کے مسلمان جناح کی قیادت کو تسلیم نہیں کریں گے۔ صوبہ سرحد میں کانگرس کی وزارت دوبارہ قائم ہوجائے گی اور بالآخر مسٹر جناح کے پاکستان میں فقط صوبہ سندھ اور پنجاب کا ایک حصہ رہ جائے گا"۔

گورنرز کانفرنس کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے صرف سندھ اور مغربی پنجاب پر مشتمل پاکستان کے مختلف

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

ترکی کی "دختر مغرب" برادر مسلم ملک کی پہلی وزیر اعظم ہیں

... لیکن یورپ اب بھی رام نہیں ہوا!

اخذ و ترجمہ:
سردار اعوان

اتوار ۱۶/ مئی کو موجودہ ترک سیاست کے بابا' وزیراعظم سلیمان ڈیمرل نے ترکی کی صدارت کا عہدہ سنبھال لیا ہے جو صدر ترغت اوزال کی ۱۷/ اپریل کو اچانک وفات سے خالی ہوا تھا۔ کسی کو یہ خیال نہیں گزرا کہ جس روز انہوں نے صدارتی امیدوار ہونے کا اعلان کیا' خاص اس دن کی کوئی اسلامی اہمیت بھی تھی اور یہ بات خود جناب ڈیمرل نے بتائی ہے کہ وہ جمعہ کا روز تھا۔ صدر منتخب ہونے کے بعد ترکی کے وہ پہلے صدر ہیں جنہوں نے فجر کی نماز مسجد میں جا کر ادا کی۔ کسی سیکولر جمہوریہ کے صدر کا یہ عمل کم اہم نہیں لیکن خود ان کا دھیان بھی شاید اس طرف نہیں گیا کہ نماز میں ہم جو کچھ پڑھتے ہیں اور جس کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے' اس سے کیا مراد ہے؟۔

اللہ تعالیٰ صرف ایک بزرگ و برتر اور دیومالائی ہستی نہیں' بادشاہ مطلق ہے۔ ہم صرف اللہ کی بندگی کا اقرار کرتے ہیں اور اسی سے ہر طرح کی مدد طلب کرتے ہیں۔ ایاک نعبد وایاک نستعین ------ انسان حاکم نہیں' اسے جو بھی اختیار اور اقتدار حاصل ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے استعمال کرنا اس کے ذمہ ہے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا باغی ہے۔

صدر ڈیمرل جب عہدہ صدارت سنبھال رہے تھے تو ترک قومی اسمبلی کے ان دو کرد ممبران کا واشنگٹن میں استقبال ہو رہا تھا جو خلاف قانون قرار دی گئی "پی - کے - کے" پارٹی کے ممبران کے ساتھ بطور "ترجمان" وہاں پہنچے تھے۔ پی - کے - کے (کردش ورکرز پارٹی) ایک "دہشت گرد" تنظیم سمجھی جاتی ہے مگر امریکہ کو انہیں ویزا دینے میں کوئی جھجک نہیں ہوئی!۔

ترکی کے آس پاس اہم بنیادی تبدیلی آ چکی ہے اور اگرچہ مغربی سفارت کار گاہے بگاہے ترکی کو یہ بتاتے رہتے ہیں کہ اس کی قدر و قیمت اب بھی باقی ہے لیکن ترکی کی قسمت درحقیقت اس کے پیچیدہ دفاعی معاملات کے ساتھ وابستہ ہے۔ ۹۱ - ۱۹۹۰ء کی "ڈیزرٹ سٹارم" نام کی خلیجی مہم جوئی نے اس خطے کو طویل محاذ آرائی اور عدم استحکام کا علاقہ بنا دیا ہے۔ ترکی کا جنوب مشرقی حصہ بری طرح خطرے کی زد میں ہے جبکہ سرد جنگ کے خاتمے نے نیٹو میں ترکی کی شرکت کو بے معنی بنا دیا ہے۔ یورپی برادری کا تو پہلے ہی یہ کہنا تھا کہ یورپ تو عیسائی ہے' سوال یہ ہے کہ ترکی کیا ہے؟۔

> جدید ترکی اپنے شہریوں کے اسلام بلکہ ان کی "بنیاد پرستی" پر کہاں تک پردہ ڈالے گا؟ انہی دنوں یہ مردہ کفن پھاڑ کے بولا ہے جب اسی ہزار آبادی کے ایک قصبے میں ترک مسلمانوں نے اس ہوٹل کو آگ لگا دی جس میں ان کا ایک ہم وطن "دانشور" ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نام نہاد دانشور اور دراصل دشمن دین و دانش نے ملعون سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب "ہفوات شیطانی" کا مقامی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا --- اور یہی کیا' اب اس ترک اخبار کو بھی اپنی خیر منانی چاہئے جس نے ترقی پسندی کے اظہار کے شوق میں سلمان رشدی کی دریدہ دہنی کو قسطوں کی صورت میں بھی شائع کیا تھا۔
>
> وزیراعظم محترمہ چلر نے اپنے اس قصبے میں تو کرفیو لگا دیا لیکن یورپ والوں کو اب کیا منہ دکھائیں گی جنہیں وہ یقین دلاتے نہیں تھکتیں کہ نام کے مسلمان ہوئے تو کیا' ہم آپ لوگوں کی طرح ہی روشن خیال اور ترقی پسند ہیں اور اپنی مشترکہ منڈی میں شامل کرلیں تو آپ ہمیں اپنا نیاز مند ہی پائیں گے!

ذرا غور تو فرمایئے' ستر سال ہو گئے ترکی کو مغرب کی چاپلوسی اور خوشامدیں کرتے' آخر کیا وجہ ہے کہ آج بھی ترکوں کو مغرب خصوصاً امریکہ میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق ۱۹۹۰ء میں امریکی رائے عامہ کی رو سے ترک دنیا کی سب سے "ناپسندیدہ قوم" تھے۔ اس طرح ۱۹۳۲ء کے ایک جائزے کی رو سے امریکیوں کے نزدیک ترک ظالم' وحشی' ضرورت سے زیادہ مذہبی' دھوکے باز' ناقابل اعتبار' خواہشات کے غلام اور گندے انسان تھے جبکہ ۱۹۵۰ء کے جائزے کے مطابق انہیں دنیا کی بدترین نسل پرست قوم قرار دیا گیا۔ لوئس وائیل یونیورسٹی کے پروفیسر میکارتھی کا کہنا ہے کہ ترکوں کا مسلمان ہونا ہی وہ "گناہ" ہے جسے خلافت عثمانیہ کے دور کے امریکی پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے وحشت' لالچ اور حیوانی جنسیت کا نام دے رکھا تھا۔ چنانچہ اقوام متحدہ میں ترکی کے ایک سابق سفیر' سکرو الخ داگ' (Sukru Elekdag) نے ترکی کے روزنامہ ملت (۲۵/ اپریل ۱۹۹۳ء) میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ ہمارے دوست اور قریبی ساتھی امریکہ میں ہمارے بارے میں یہ رائے ہے تو یورپ کو جو امریکہ کی نسبت کہیں متعصب ہے' ہمارا چہرہ مبارک کیسا نظر آتا ہو گا۔

انہوں نے لکھا ہے کہ یورپ والے ہمارے بارے میں جو جی میں آئے کہیں' صدر ڈیمرل کا کہنا ہے "ہم یورپی ہیں اور یورپی ہی جئیں مریں گے"۔ یورپی تہذیب کی نشوونما میں بطور نیٹو کے ایک ممبر کے ہمارا کردار ہے۔ "اگر یورپ والے کہتے ہیں کہ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں تو یہ ان کا ظرف ہے۔ ان کی جگہ ہم ہوتے تو یورپی اقدار کی خاطر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرتے"۔ صدر ڈیمرل نے اپنے بلند ارادوں کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "ہم ان یورپی اقدار کو وسط ایشیاء تک لے جائیں گے" - یہی بات ترک فوج کے ترجمان' کرنل ایمان گرائے نے حال ہی میں دہراتے ہوئے کہا کہ ترکی کے لئے سب بڑا خطرہ مشرق وسطیٰ کی اسلامی بنیاد پرستی کی تحریکیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وسطی ایشیا کی جمہوریائیں اور کاکیشیا بھی امن کے لئے اتنی ہی خطرناک ہوں گی اگر انہیں مغربی سیکولر طرز معاشرت اور نظام حکومت اختیار کرنے پر مائل نہیں کیا جا سکا۔

گزشتہ جولائی میں یورپ اور شمالی امریکہ سے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ رپورٹ تحریک

سے کامیاب رہا۔ وہاں جلسہ کے علاوہ دو پروگرام مزید بھی ہوئے' بار ایسوی ایشن سے خطاب اور پریس کانفرنس۔ بار ایسوی ایشن میں خطاب کے بعد چھ وکلاء نے تعاون فارم پر کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

ایک جلسہ ۹ جولائی کو صوبہ سرحد کے دیر شہر کے اسٹیڈیم میں صبح ۸ بجے منعقد ہو گا ان شاء اللہ۔

ہفت روزہ "ندائے خلافت"

تحریک خلافت پاکستان کا ترجمان "ندائے خلافت" عرصہ زیر رپورٹ کے دوران دو صورتوں میں طبع ہوتا رہا' ایک باقاعدہ ایڈیشن اور ایک سرکلر ایڈیشن۔ معاونین سے مسلسل رابطے کے لئے سرکلر ایڈیشن ہر پندرہ روز کے بعد تمام معاونین تحریک کو بلا قیمت ارسال کیا جاتا رہا جس میں تحریک خلافت کے پروگراموں اور انتخابات سے متعلق مفصل معلومات اور ضروری ہدایات شائع کی گئیں۔ "ندائے خلافت" کے باقاعدہ شمارے میں بھی معمول کے مضامین کے علاوہ تحریک سے متعلق اطلاعات جلسوں اور دیگر پروگراموں کے اعلانات اور رپورٹیں بھی شائع کی گئیں۔ کنونشن کے موقع پر "ندائے خلافت" کا خصوصی شمارہ شائع کیا گیا جس میں تحریک خلافت سے متعلق اہم مضامین شامل تھے۔

تعارفی لٹریچر

تحریک خلافت اور اس کے مقاصد کو متعارف کروانے کے سلسلے میں نظام خلافت کے خدوخال اور برکات کے حوالے سے مختلف قسم کا لٹریچر طبع کروایا گیا اور مناسب مواقع پر تقسیم کیا گیا۔ چار ورقہ پمفلٹ پچاس ہزار کی تعداد میں شائع ہوا۔ اسی طرح عوام کو موجودہ جاگیردارانہ سرمایہ دارانہ انتخابی سیاست کی خرابیوں سے مطلع کرنے کے لئے پچیس ہزار کی تعداد میں ایک پوسٹر شائع کیا گیا جو پاکستان کے تمام بڑے چھوٹے شہروں اور قصبوں میں لگوایا گیا۔ اسی طرح سات اسٹکروں کا ایک سیٹ تیار کر کے پھیلایا گیا جس میں خلافت کی برکات کو بیان کیا گیا ہے۔ تحریک خلافت کا ایک خوبصورت علامتی نشان تیار کروایا گیا جسے ایک کیلنڈر کی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ اسی طرح خلافت سے متعلق ایک حدیث پر مبنی کیلنڈر بھی شائع کیا گیا۔ مزید برآں چابیوں کے گچھے اور جیب پر آویزاں کرنے کے لئے علامتی نشان بھی تحریک کے تعارف کے لئے تیار کئے گئے۔ یہ تمام چیزیں جلسوں کے مواقع پر سٹال لگا کر فروخت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

اسٹیشنری

تحریک خلافت کے شعبہ حسابات کے لئے اسٹیشنری بصورت رسید بکس' واؤچر' گوشوارہ بکس اور اکاؤنٹس بکس وغیرہ تیار کی گئیں۔ الحمدللہ شعبہ اکاؤنٹ نے مرکز میں باقاعدہ کام کا آغاز کر دیا ہے۔

مرکزی دفتر تحریک خلافت پاکستان

کنونشن کے بعد تحریک کا مرکزی دفتر دوبارہ خلافت بلڈنگ ۴/۱ اے مزنگ روڈ پر قائم کر دیا گیا ہے۔ مرکزی دفتر سے علاقائی خلافت کمیٹیوں سے مسلسل رابطہ رکھا جا رہا ہے۔ مقامی مجالس عاملہ کے قیام' بنک اکاؤنٹس کے اجراء اور دیگر معاملات میں مرکز تحریک ضروری رہنمائی اور مکمل تعاون کر رہا ہے۔ لیکن ابھی مقامی سطح پر دفاتر کے قیام' بنک اکاؤنٹس کے اجراء' زرتعاون کی رسیدیں بنانے کے انتظامات میں زیادہ پیش رفت نہیں ہو سکی۔ اکثر مقامات پر تنظیم اسلامی یا انجمن خدام القرآن لاہور کے دفاتر ہی میں تحریک کے دفاتر قائم کئے گئے ہیں۔

مرکزی دفتر میں علاقائی خلافت کمیٹیوں کو ماہانہ رپورٹ فارم اور کارکردگی کے جائزے کے لئے ایک پروفارما بھجوایا گیا تھا۔ یہ فارم اور رپورٹیں چھ کمیٹیوں کی جانب سے وصول ہو سکے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی تحریک کی دعوتی اور نظم سے متعلق سرگرمیاں بھرپور طور پر شروع نہیں کی جا سکیں لیکن توقع ہے کہ ایک دو ماہ میں ان شاء اللہ تمام معاملات معمول کے مطابق چلنا شروع ہو جائیں گے۔ ○○

بقیہ: ترکی

آئے ہوئے ممتاز مسلمان ڈاکٹروں کی جماعت کا ایک وفد ڈیمرل سے ملاقات کے لئے گیا۔ اس نے جب ان سے بوسنیا کے بارے میں پوچھا کہ یورپ کے نقشے پر اس کے باقی رہنے کے کیا امکانات ہیں تو وزیراعظم صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ ادھر ادھر بغلیں جھانکنے لگے۔ واضح رہے کہ موجودہ صدر ڈیمرل اس وقت وزیراعظم تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ یوگوسلاویہ' بلغاریہ' رشیا' بلورشیا' یوکرین' آرمینا کا کچھ حصہ' یونان اور یونانی قبرص پر مشتمل آرتھوڈکس عیسائی اتحاد جو شکل اختیار کر چکا ہے' ترکی کی وزارت خارجہ یا ملٹری ہیڈکوارٹر میں اس کے احساس کا کہیں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس کے باوجود صدر ڈیمرل قوم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ترکی نہ صرف مستحکم ہے بلکہ اس کی بڑی عالمی اہمیت ہے۔

ترکی النسل وسطی ایشیائی جمہوریاؤں اور کاکیشیا کے سابق کمیونسٹ راہنما کیا عقل کے اتنے ہی اندھے ہیں کہ وہ مغربی سیکولیر نظام کو ترکی سے در آمد کرنے کے لئے بے چین ہونگے جہاں یہ خراب و خستہ حال میں ہے۔ انہوں نے ترکی' ایران' پاکستان اور سعودی عرب سے اپنے تاریخی رشتے تلاش کرنا چاہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو خود مغرب کے گھڑے کی مچھلیاں ہیں تو انہوں نے اپنی راہ لی۔ سب سے زیادہ مایوسی آذر بائیجان کو ہوئی جس نے بوسنیا کی طرح ترکی سے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ آذر بائیجان کے خلاف نہ تو اسلحہ کی پابندی عائد تھی اور نہ ہی بحری' بری اور ہوائی راستے میں کوئی رکاوٹ تھی کیونکہ وہ تو بالکل ترکی کے ساتھ ملحق تھا۔ مگر روس کے ڈر سے ترکی دم سادھے رہا حالانکہ روس کھلم کھلا آرمینیا کی مدد کر رہا تھا۔

بہت سے ترک بہرحال یہ سمجھتے ہیں کہ متعصب یورپ نے کٹر سیکولر ملک بوسنیا کا برائے نام اسلام بھی گوارا نہیں کیا تو ترکی کو کب بخشے گا!۔ ترکی کو جہاں شروع سے "تشخص" کے بحران کا سامنا تھا وہاں اب بقاء کا بحران بھی اس کا مسئلہ بن گیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا ترک حکمرانوں کا کام ہے کہ آیا وہ ان حالات کے باوجود بھی یورپ میں اچھوت اور چھوٹی ذات کے خدام بن کر رہنا چاہتے ہیں! لیکن انہیں اتنا ضرور جان لینا چاہئے کہ وہ اپنے اسلام کو کھرچ کھرچ کر کتنا ہی مٹائیں' یورپ کے جدید صلیبی اسے دوسرا بوسنیا بنا کے چھوڑیں گے۔

ڈیمرل کی جگہ وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے والی خاتون' ۴۷ سالہ تانسو چلر سیکولر اقدار کی دلدادہ اور پاکستان کی بینظیر بھٹو سے بھی بڑھ کر "دختر مغرب" کا کردار ادا کرنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتی ہیں۔ معاشیات کی سابقہ پروفیسر چلر کے واشنگٹن سے گہرے روابط ہیں۔ ترکی کے ایک اخبار میں "مختصر لباس میں ان کی جو تصویریں شائع ہوئی ہیں" ان سے امید پیدا ہوتی ہے کہ شاید وہ ترکی کو یورپی برادری میں شامل کرانے میں کامیاب ہو جائیں!۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○○۔

منظم انقلابی جدوجہد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت بھی ان کو حاصل ہو سکتی ہے اور اس صورت میں امریکہ اور تمام دشمن ملک بھی مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے لیکن اگر ہم نے اپنی موجودہ روش کو تبدیل نہ کیا اور غفلت اور عیاشیوں میں مبتلا رہے تو کوئی عجب نہیں کہ اللہ اس امت کو اپنی مغضوب قوم سے ہٹوا کر کسی اور قوم کو اپنے دین کا جھنڈا تھما دے اور وہ لوگ اللہ کے دین کو قائم کرنے والے اور اس کے واقعی خلیفہ بن کر سامنے آجائیں۔

ڈاکٹر صاحب محترم نے نظام خلافت کی برکات کا بھی تفصیلاً ذکر کیا اور موجودہ حالات میں پیدا شدہ مسائل کو نظام خلافت میں کیسے حل کیا جائے گا' اس کا بھی تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ خطاب کے اختتام پر اعلانات کئے گئے اور محترم ڈاکٹر صاحب نے دعا فرمائی۔ چار سو زائد افراد نے جلسے میں شرکت کی۔ جلسہ کے موقع پر ساتھیوں نے مکتبہ لگا رکھا تھا جس پر محترم داعی تحریک کی تمام کتب' کیسٹس' تحریک خلافت کا تعارفی لٹریچر وغیرہ خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ حاضرین نے کتب میں خصوصی دلچسپی لی اور کتب' کیسٹس اور تحریک خلافت کے کیلنڈرز وغیرہ خریدے۔ تحریک خلافت کا چار ورقہ پمفلٹ اور تعاون فارم بھی تقسیم کیئے گئے جو لوگوں نے ایک سو کی تعداد میں پر کر کے واپس کئے۔ جلسے فارغ ہو کر امیر محترم ہوٹل واپس تشریف لے گئے۔ دوپہر کے بارہ بج چکے تھے' تھوڑی دیر آرام کے بعد ایک بجے مسجد بابا صاحب میں خطاب جمعہ کے لئے روانگی ہوئی۔

جامع مسجد بابا صاحب دیر کی ملحقہ بستی ریحان کوٹ میں پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ ہم بمشکل طویل چڑھائی چڑھ کر مسجد بابا صاحب میں پہنچے اور پہاڑ کی چوٹی پر اتنی وسیع و عریض مسجد دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مسجد میں محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب کا موضوع اسلام میں جماعتی زندگی کی ضرورت اور نظم جماعت کے لئے قرآن و سنت سے ماخوذ بیعت جہاد کی اہمیت تھا۔ ایک گھنٹے کے خطاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے موضوع کے مختلف گوشوں پر قرآن و حدیث کے محکم دلائل کے حوالوں سے گفتگو فرمائی مسجد میں آج غیر معمولی حاضری تھی۔ مسجد اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دامانی کا منظر پیش کر رہی تھی۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد ہی میں سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ مسجد کا وسیع و عریض ہال محترم ڈاکٹر صاحب کے سوالوں کے جوابات سے مستفید ہونے کے لئے حاضرین سے پر تھا۔ دو سو سے زائد افراد اس نشست میں آخر وقت تک شریک رہے۔ پچاس سے زائد افراد نے تحریک و تنظیم اور دیگر مسائل پر سوالات کئے جن کے محترم داعی تحریک نے تشفی بخش جواب دیئے۔ اس نشست کے اختتام پر اعلان کیا گیا کہ جو حضرات تنظیم اسلامی میں شرکت کا فیصلہ کر چکے ہیں وہ آگے آجائیں تاکہ بیعت کے مسنون مرحلے سے گزرا جا سکے۔ چنانچہ اٹھائیس افراد آگے بڑھے اور محترم ڈاکٹر کے سامنے دو رویہ ہو کر بیٹھ گئے تین چادروں کو ملا کر لمبی رسی کی شکل دی گئی ایک سرا محترم ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ دو رویا بیٹھے ہوئے تمام ساتھیوں نے چادروں کو اپنے دائیں ہاتھ سے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب عہد نامہ رفاقت تنظیم اسلامی کا عربی متن اور اس کا ترجمہ پڑھتے اور تمام ساتھی اسے دہراتے۔ اس طرح تجدید ایمان' توبہ اور تجدید عہد پر مشتمل اس عہدنامہ رفاقت کو پڑھا گیا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب محترم نے ساتھیوں کے اس عہد پر استقامت اور دین کے قیام کے لئے منظم طور پر جدوجہد کرنے کے لئے دعا فرمائی۔ اس طرح دیر کا یہ دورہ اختتام کو پہنچا۔ اس دورے کے سلسلے میں جن جن رفقاء و معاونین اور احباب نے جس جس صورت میں بھی تعاون پیش کیا' دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جانی و مالی تعاون کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ●●

انجمن خدام القرآن سرحد کے زیر انتظام

اہالیان پشاور کے لئے

قرآن فہمی کے پروگرام

عربی گرامر کلاس

ہفتہ میں دو دن جمعرات و جمعہ بعد از نماز مغرب

ترجمہ قرآن کلاس

ہفتہ میں دو دن' ہفتہ و اتوار بعد نماز مغرب

درس قرآن ڈاکٹر اسرار احمد

بذریعہ ویڈیو — ہر جمعرات بعد از نماز عصر

نیز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن کے آڈیو ویڈیو کیسٹ اور کتب سے بالکل مفت استفادہ کریں

انجمن خدام القرآن سرحد پشاور

18 اے' ناصر مینشن شعبہ بازار' پشاور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

امریکی سیاسی مفکر سیموول ہنٹنگٹن کی قیاس آرائی

اب ٹکراؤ قوموں میں نہیں، تہذیبوں میں ہوگا

مغرب کو دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی عادت اپنانا ہوگی

☆ س - آپ نے امریکی جریدہ "یو ایس فارن افیئرز" میں یہ پیش گوئی کی ہے کہ مستقبل میں قوموں کی بجائے تہذیبوں کے درمیان ٹکراؤ ہوگا۔ کیوں؟

● ج ـــ عالمی سطح پر قومی ریاستوں کو اب بھی فوقیت تو حاصل رہے گی لیکن یہ دور اب گزرنے پر آگیا ہے۔ لوگ زیادہ وسیع تناظر میں حد بندیوں کا سوچنے لگے ہیں۔ جرمن اپنے آپ کو پہلے سے بڑھ کر یورپی تصور کرنے لگے ہیں۔ دنیا بھر میں کسی نہ کسی طور پر یہی کچھ ہو رہا ہے۔

☆ س - اس کے لئے یہ وقت کیوں موزوں تھا؟

● ج ـــ سرد جنگ کے دوران امریکہ اور روس کی شناخت ان کے نظریات تھے۔ اب وہ بات نہیں رہی۔ اسی طرح بین الاقوامی معاملات میں مغرب کی بالادستی کا دور بھی قصہ ماضی ہوگیا۔ اب تصادم کے مراکز مغرب اور اسلام، اسلام اور ہندوازم، اسلام اور روس کا سلاوک آرتھوڈکس تمدن اور مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرنے والے چین و جاپان ہوں گے۔

☆ س - آپ تہذیب سے کیا مراد لیتے ہیں؟

● ج ـــ کسی انسان کی ثقافتی پہچان کا سب سے بلند درجہ اس کی تہذیب ہے اور اس کا زیادہ دارومدار مذہب پر ہے۔ کوئی شخص بیک وقت فرنچ اور عرب تو ہو سکتا ہے مگر آدھا مسلمان اور آدھا کیتھولک ہونا ممکن نہیں۔ دنیا میں ہر جگہ مذہب کا احیاء ہو رہا ہے، اگرچہ مسلم دنیا میں یہ نمایاں ہے مگر ہو ہر جگہ رہا ہے۔ بھارت میں ہندوازم کو ہی دیکھ لیں۔ عیسائیت میں بھی بنیاد پرستی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

☆ س - اسلام اور مغرب کے درمیان تصادم کی وجہ کیا ہے؟

● ج ـــ عیسائیت کے بعد دنیا میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو ایک مکمل نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں مذہب اور سیاست میں کوئی تفریق نہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کا یہ احساس بھی قوی ہوتا جا رہا ہے کہ انہوں نے مغرب سے مار کھائی ہے۔ یہ تصادم کئی طرح سے ہو سکتا ہے، ضروری نہیں عالمی جنگ ہی ہو۔

☆ س - مسلم دنیا کے کون سے خطے میں آپ کو یہ تصادم ہوتا نظر آرہا ہے؟

● ج ـــ وہاں جہاں سابق یوگوسلاویہ اور مسلم اور غیر مسلم دنیا کی سرحدیں مل رہی ہیں۔ خاص طور پر مغربی عیسائیت، آرتھوڈکس عیسائی مذہب اور اسلام کی سرحد پر۔ یہ سرحد کئی صدیوں سے قائم چلی آرہی ہے۔ اسی طرح کا تصادم افریقہ میں شمال کے مسلمانوں اور جنوب کے عیسائیوں اور غیر مسلموں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے۔

☆ س - اس کے علاوہ خطرناک علاقے کون سے ہیں؟

● ج ـــ آذربائیجان اور آرمینیا کے درمیان جنگ میں کاکیشیا کا علاقہ ایسا ہے جہاں روس اور ترکی ملوث ہیں۔ بھارتی مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی مہم جوئی پاکستان کو جنگ پر مجبور کر سکتی ہے۔ وسطی ایشیا کی جمہوریاؤں کے اندر ترکی النسل اور روسی چینیوں کا معاملہ بھی ہے۔

☆ س - افریقہ کا آپ نے کم حوالہ دیا ہے۔ کیا افریقی ایک الگ تہذیب نہیں؟

● ج ـــ میرے خیال میں تاحال ایسا نہیں۔

☆ س - آپ کے خیالات کا مغرب کے استحکام پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

● ج ـــ اہم بات یہ ہے کہ مغرب اور روس اپنی فوجی طاقت کم کر رہے ہیں جبکہ ایشیا اور مشرق وسطی کے اسلامی ممالک اپنی اس صلاحیت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ایک طرف ایشیا کے اسلامی ممالک کے ساتھ چین اور شمالی کوریا کے تعلقات اور دوسری طرف ایران، عراق، شام اور لیبیا جیسے ممالک اس کا باعث ہیں۔

☆ س - کیا مغرب ہتھیاروں میں بہت زیادہ کمی کر دے گا؟

● ج ـــ ہم اسی کی طرف جا رہے ہیں لیکن یہ عمل اب سست ہو جانا چاہئے۔

☆ س - تو کیا سرد جنگ کی نسبت حالات زیادہ خطرناک ہیں؟

● ج ـــ سرد جنگ نسبتاً سادہ تھی۔ ناصر اور صدام جیسے عرب رہنماؤں کا ذلت آمیز شکست کے باوجود اقتدار پر براجمان رہنا عجیب چیستاں ہے۔ مغرب میں ایسا نہیں ہوتا۔

☆ س - کیا مغرب کا رویہ باقی دنیا کے ساتھ اہانت آمیز نہیں؟

● ج ـــ مغرب کو پچھلی دو تین صدیوں کا اپنا رعب اور دبدبہ بھول کر دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی عادت اپنانا ہوگی ●●